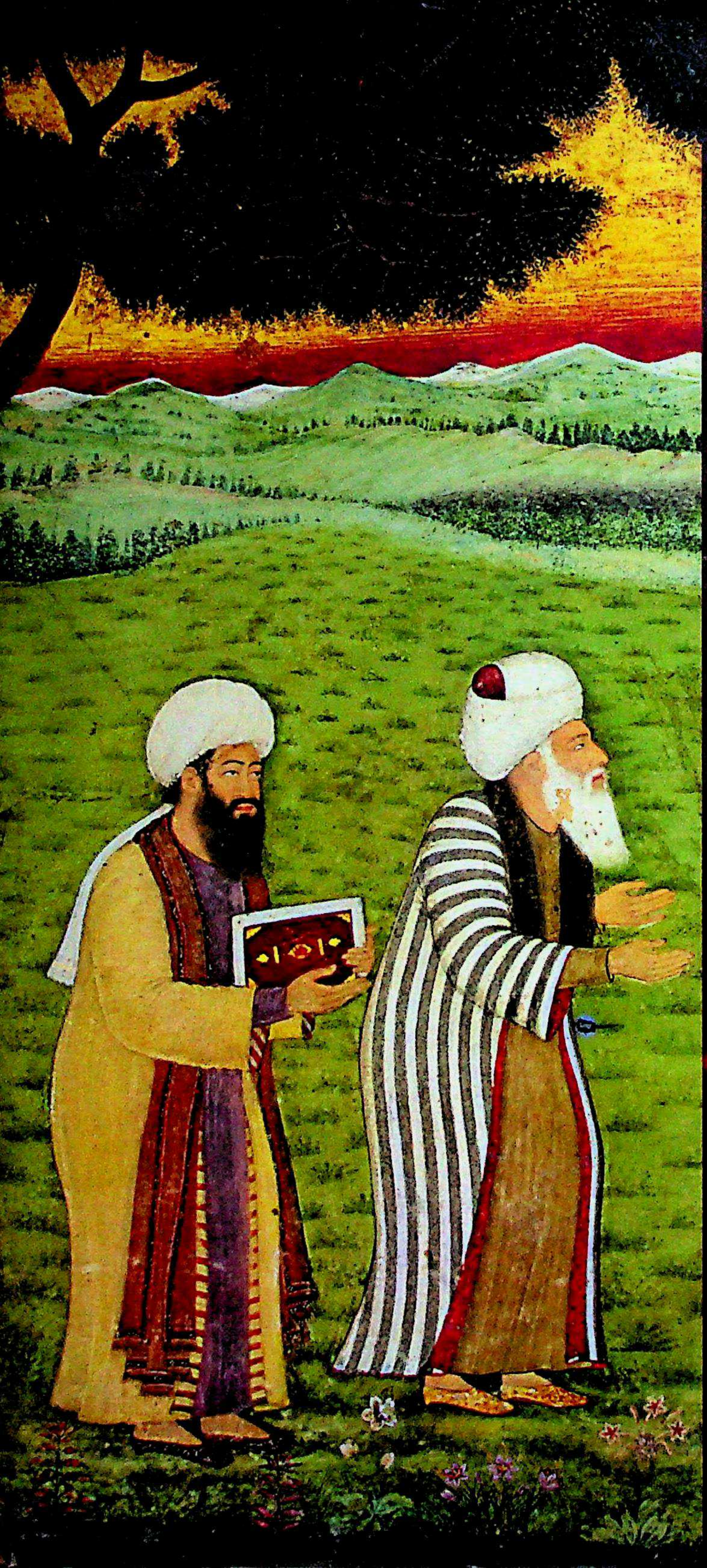

تذکرہ شعرائے کشمیر

مترجم

غلام رسول بٹ

تذکرہ شعرائے کشمیر

مترجم

غلام رسول بٹ

ناشر

سٹی بک سینٹر

بک سیلرز، پبلیشرز اینڈ ڈسٹربیوٹرس

بڈشاہ چوک سرینگر

801-95-99546
ن 529 ک

© جملہ حقوق بحق پبلیشرز محفوظ ہیں

نام کتاب	:	تاریخ حسن اُردو (تذکرہ شعرائے کشمیر) (جلد چہارم)
مؤلف	:	غلام حسن کھویہامی
مترجم	:	غلام رسول بٹ
زیر اہتمام	:	شیخ جاوید احمد
ناشر	:	سٹی بک سینٹر، بڈشاہ چوک سرینگر
سال اشاعت	:	2018
تعداد صفحات	:	99
قیمت	:	-/995 نوسو پچانوے روپے
ISBN	:	81-7976-025-1

پبلیشرز

سٹی بک سینٹر

بک سیلرز، پبلیشرز اینڈ ڈسٹربیوٹرس

بڈشاہ چوک سرینگر

فون: 0194-2470158

عرضِ ناشر

قدرت نے جہاں وادی گل پوش کشمیر جنت بے نظیر کو قدرتی حسن سے مالا مال کر رکھا ہے وہیں اسے تاریخی طور پر بھی زرخیز بنایا ہے۔ وادی گل پوش کی تاریخ جہاں قدیم زمانے سے موجود و مدون ہے وہی علمی سطح پر اس کی شہرت زمانہ دراز سے ہے۔ وادی کشمیر کو علمی طور پر ایک زرخیز علاقہ ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ یہاں پر کئی نامی گرامی صاحبان علم پیدا ہوئے ہیں۔ کشمیر کو علمی و روحانی شخصیات کا مسکن ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔

کشمیر کے ان معروف و مشہور روحانی شخصیات کے بارے میں کئی کتابیں زمانہ قدیم سے لکھی ہوئی ہیں جن میں حسن کھویہامی کی کتاب ''تاریخ حسن'' معروف و مشہور ہے۔ تاریخ حسن کی جلد سوم میں ان بزرگان دین، علمائے اسلام اور خدا پرستوں کے حالات زندگی درج ہیں۔

تاریخ حسن کی اس چوتھی جلد میں یہاں کے معروف شعرائے کرام کا تفصیلی تعارف درج ہے۔ جن میں اکثر کشمیر سے باہر بھی اپنے کلام کی شیرینی اور حسن کی وجہ سے مشہور ہیں۔ تاریخ حسن جلد چہارم کا ترجمہ ریاست کے معروف قلمکار اور مترجم جناب غلام رسول بٹ صاحب نے ہماری فرمائش پر کیا۔ اس سے پہلے بھی وہ تاریخ حسن جلد دوم و جلد سوم کا ترجمہ کر چکے ہیں۔

تاریخ حسن جلد چہارم میں شعراء کے تفصیلی حالات زندگی کے ساتھ ساتھ ان کے کلام کو بھی درج کیا گیا ہے۔ ان اشعار کو قارئین کے لئے آسان اور سہل اردو زبان میں ترجمہ کرنے میں محترمہ سید مسرت پروین صاحبہ لیکچرار فارسی زبان نے کافی محنت کی ہے۔ ہم ان کے شکر گزار اور ممنوں ہیں۔

ہماری کوشش یہی ہے کہ ہم اپنی ثقافت اور تاریخ کو نئی نسل تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ چونکہ ہماری تاریخ اکثر فارسی زبان میں لکھی ہوئی ہے اس لئے نئی نسل اس سے بے خبر ہی ہے۔ ہماری کوشش آج

بھی اور آئندہ بھی یہی ہوگی کہ نئی نسل اپنی ثقافت اور تاریخ سے باخبر ہو۔ اس لئے ہم نے کشمیر کی مشہور فارسی تاریخ ''تاریخ حسن'' کو اردو کے قالب میں ڈھالا ہے اور الحمد للہ اس کے چاروں جلدوں کو اردو میں مکمل ترجمہ کر کے قارئین تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔ عنقریب ''تاریخ حسن'' کا انگریزی زبان میں ترجمہ بھی قارئین کو پیش کرنے کا فخر ہم کو نصیب ہوگا۔ امید ہے ہماری کوششوں کو قارئین تحسین کی نظر سے نوازیں گے۔

دعاؤں کا طالب

شیخ جاوید احمد

سٹی بک سینٹر بڈشاہ چوک سرینگر

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱.	شعرائے کشمیر کے بیان میں	1
۲.	میر علی	2
۳.	ملا نامی اوّل	3
۴.	ملا نامی ثانی	4
۵.	بابا طالب اصفہانی	4
۶.	ملا مہری	6
۷.	محمد امین مستغنی	6
۸.	میرزا علی خان	7
۹.	شاہ ابوالفتح	7
۱۰.	مظہری کشمیری	8
۱۱.	میر حسن کشمیری	9
۱۲.	اوجی کشمیری	9
۱۳.	ملا ذہنی کشمیری	12
۱۴.	حاجی جان محمد قدسی	15
۱۵.	طغرائے مشہدی	18
۱۶.	قاضی ابوالقاسم	20

۱۷.	محمد قلی سلیم		20
۱۸.	میرزا طالب کلیم		21
۱۹.	میر الٰہی		22
۲۰.	ملا محمد صالح ندیم		24
۲۱.	ملا فصیحی		25
۲۲.	ملا فہمی		27
۲۳.	فطرتی		28
۲۴.	روشنی		28
۲۵.	گلشنی		28
۲۶.	مشتری		29
۲۷.	مہری مشہدی		29
۲۸.	بدیعی		29
۲۹.	فروغی		29
۳۰.	محمد مراد زرین قلم		30
۳۱.	ملا محسن شیرین قلم		30
۳۲.	ملا محمد طاہر غنی		30
۳۳.	خواجہ ہاشم دیوانی		34
۳۴.	قاضی محمد عارف		35
۳۵.	عنایت خان آشنا		36
۳۶.	عبدالرسول استغنا		36
۳۷.	محمد رفیع منشی		37

۳۸.	محمد زمان نافع	40
۳۹.	میرزاداراب جویا	41
۴۰.	کامران بیگ گویا	43
۴۱.	لالہ ملک شہید	43
۴۲.	خواجہ ضیاء الدین دیوانی	44
۴۳.	حاجی اسلم	44
۴۴.	باباحاجی مغنی	46
۴۵.	حاجی حیدر زڈی بلی	47
۴۶.	ملا فایق	47
۴۷.	ملا بینش	47
۴۸.	ملا ثابت	47
۴۹.	قلندر بیگ	47
۵۰.	آدری	47
۵۱.	میر نورالدین شارق	47
۵۲.	خواجہ نوراللہ دیوانی	48
۵۳.	میر کمال الدین	49
۵۴.	خواجہ علی اکبر	49
۵۵.	محمد رضائے مشتاق	50
۵۶.	عبدالحکیم ساطع	52
۵۷.	میرزا عبدالغنی بیگ قبول	53
۵۸.	محمد امین دانا	55

۵۹.	میر محمد معروف	55
۶۰.	شاہ رضا چشم	56
۶۱.	ملا عبدالغفور نامی	56
۶۲.	محمد اشرف یکتا	56
۶۳.	لطف اللہ بیگ	56
۶۴.	ملا میر نازک فانی	56
۶۵.	شرف الدین خان فرحت	56
۶۶.	خواجہ امان اللہ	57
۶۷.	محمد عاقل	57
۶۸.	حکیم رحمت اللہ	58
۶۹.	میر احسن اللہ	58
۷۰.	محمد فاروق	60
۷۱.	محمد حیات ہادی	60
۷۲.	میرزا بیگ	61
۷۳.	ملا یوسف	61
۷۴.	ملا محمد رفیع مانجی	61
۷۵.	محمد علی خان متین	62
۷۶.	عبدالوہاب شائق	64
۷۷.	محمد جان بیگ سامی	64
۷۸.	رحمت اللہ بانڈی	66
۷۹.	ملا راجح	67

۸۰.	ملا حسن	67
۸۱.	ملا عشقی	67
۸۲.	محمد یحییٰ حیا	67
۸۳.	محمد کاظم	68
۸۴.	اسد اللہ شگون	68
۸۵.	میر عنایت اللہ	69
۸۶.	میرزا قلندر	71
۸۷.	محمد رضا کنٹ	71
۸۸.	خواجہ بہاء الدین	71
۸۹.	رحمت اللہ تمکین	72
۹۰.	ملا محمد توفیق	72
۹۱.	خواجہ عبد الغفور	75
۹۲.	ملا عطاء اللہ ہما	75
۹۳.	ملا عبد الغنی	77
۹۴.	عبد الوہاب ہمت	77
۹۴.	محتشم خان فدا	77
۹۵.	بابا کرم اللہ	80
۹۶.	حبیب اللہ ڈلو	80
۹۷.	محمد رضا	81
۹۸.	عصام الدین	81
۹۹.	محمد اکبر رفیق	82

۱۰۰.	فاخر	82
۱۰۱.	ملا محمود	83
۱۰۲.	محوی	83
۱۰۳.	ملا حبیب اللہ دار	86
۱۰۴.	ملا عبید اللہ	86
۱۰۵.	مصطفیٰ خان	88
۱۰۶.	بابا محمد کاظم	89
۱۰۷.	میرزا مہدی مجرم	89
۱۰۸.	ملا حمید اللہ	93
۱۰۹.	کبیری	93
۱۱۰.	یاسین خان	94
۱۱۱.	خواجہ حسن زہگیر	94
۱۱۲.	خواجہ حسن کول	94
۱۱۳.	محمد شاہ فصیح	96
۱۱۴.	اسد اللہ راجہ	96
۱۱۵.	خواجہ محمد شاہ نزوری	97
۱۱۶.	خواجہ سعد الدین	98
۱۱۷.	حاجی مختار شاہ اشائی	98

شعرائے کشمیر کے بیان میں

جب سے کشمیر آباد ہوا ہے، مورخوں نے تاریخی ماخذوں سے ثابت کیا ہے کہ یہ ملک تہذیب وتمدن اور علم وہنر کا مرکز رہا ہے۔ ابتدائی زبان کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آریاؤں کے آنے پر کشمیر میں وید کے بڑے بڑے عالم پیدا ہوئے۔ اور جب سنسکرت نے فروغ پایا، کشمیریوں نے اس زبان کو عروج پر پہنچایا۔ یہاں تک کہ کشمیر کی پراکرت سنسکرت تھی۔ شعروشاعری، تصنیف تالیف سب کچھ سنسکرت ہی میں تھا۔ اور سنسکرت کے عالموں کی فصاحت وبلاغت سے بھرے ہوئے خزانہ صفحہ روزگار پر یادگار ہیں۔ ۷۲۵ھ سے کشمیر میں اسلام نے کافی رواج پایا۔ اور عربی وفارسی کا چرچا ہونے لگا۔ سلطان زین العابدین فارسی کے دلدادہ تھے۔ فارسی بذات خود شیرین زبان تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان کا دربار کشمیری بادشاہوں کا دربار نہ تھا۔ بلکہ ایرانی شہنشاہوں کے درباروں کا عکس اور نمونہ تھا۔ سلطان کی سرپرستی میں شعر وشاعری کشمیر کے ماحول کا اثر رکھتے ہوئے۔ ایرانی شاعری کی روح کی بنیاد پر نشو ونما پانے لگی۔ زبان اور الفاظ (لباس خیال) اور انداز بیان فارسی تھے۔ لیکن خیال (روح شاعری) کشمیر جنت نظیر کا پروردہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ گو زبان کے لحاظ سے نہیں مگر بلند خیالی اور نازک خیالی کے لحاظ سے کشمیری فارسی گو شعراء کا کلام فارسی کے بلند پایہ شعراء کے کلام سے کم درجہ نہیں بلکہ بلند درجہ رکھتا ہے۔ سلطان زین العابدین کے زمانے میں سید محمد متخلص بہ منطقی، ملا احمد کشمیری، ملا ندیمی، ملا فصیحی، ملا جمیل، ملا احمد رومی، ملا محمد رومی، ملا نورالدین، ملا علی شیرازی، ملا نادری، مولانا حسین غزنوی وغیرہ وغیرہ کشمیر میں فارسی شاعری کے آسمان کے چمکتے تارے تھے۔ سلطان زین العابدین کے بعد ملک میں افراتفری پیدا ہوگئی۔ اراکین سلطنت اور امیروں میں سے فتنہ فساد اور سازشوں کے باعث کسی کو فرصت نہ ملتی تھی جو عالموں اور شاعروں کے سرپرستی کرتا۔ یہ حالت تقریباً

ایک صدی تک قائم رہی۔ چک خاندان کے بادشاہوں کے زمانے میں حسین شاہ چک ایک شخص تھا، جو خود بھی عالی طبع اور سخن گستر تھا۔ اور شاعروں کی قدر دانی کرتا تھا۔ اس کے زمانے میں شعروسخن کو کچھ رواج ہوا۔ مغلوں کے زمانے میں شعروسخن کا بازار تو گرم تھا۔ چنانچہ کچھ شاعر دوسرے ملکوں سے آکر یہاں سکونت پذیر ہوگئے اور کچھ تو اسی ملک کے پیداوار تھے۔ اب ہم ان باکمال مشاہیر شعراء میں سے کئی ایک کا مختصر سا حال بیان کرنے کی کوشش کریں گے جنہوں نے اس ملک میں فارسی شاعری کو چک خاندان بادشاہوں کے شروع ہونے کے وقت سے فروغ دیا۔

میر علی

ایران کے اصلی باشندے تھے۔ بہت بڑے عالم اور فاضل تھے۔ سید ہونے کا دعویٰ بھی رکھتے تھے۔ حسین شاہ چک کے زمانے میں کشمیر آئے۔ باغ علی مردان خان کے متصل بوٹہ کدل میں سکونت اختیار کی۔ اور وہاں ایک مسجد تیار کی۔ بلند پایہ کے شاعر تھے۔ کشمیر کی تعریف میں ایک رسالہ نظم میں لکھا ہے۔ خط نستعلیق کے ماہر اور استاد تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

گل بدستم چہ نہی درکف من خار خوش است
این گل تازہ برآن گوشۂ دستار خوش است

ترجمہ: پھول میرے ہاتھ میں ہو اسے تو انکار نہیں کیونکہ میرے کف میں خوش کرنے والا کانٹا ہے یعنی پھول کی تلاش میں کانٹوں پر سے گزرنا پڑتا ہے تو یہ کانٹے بھی پھول لگتے ہیں۔ مگر یہ تازہ پھول ان ہی اپنے ڈالیوں پر خوش اور خوبصورت لگتے ہیں۔

سبو سبودہ وخم خم دل لوند مرا
قدم چہ آب زند آتش بلند مرا

ترجمہ: میرا شکست، رنجیدہ اور جھکا ہوا دل اس دلفریب نے لوٹ لیا اور ایسا محسوس ہوا جیسے اوپر اٹھتے ہوئے شعلوں نے پانی میں قدم رکھا یعنی میں نے سکون اور راحت محسوس کیا۔

یہ میر علی وہ میر علی نہیں جو مرزا الغ بیگ خان کے عہد میں توران میں خط نستعلیق کا اصل واضع تھا۔

ملا نامی اوّل

ایک غریب اور گمنام آدمی تھا۔ صرف ونحو کا عالم تھا۔ شاعری نے اس کو حسین شاہ چک کے مصاحبوں میں جگہ دلوائی۔ حسین شاہ چک کا مداح تھا۔ قصیدہ گوئی کے ساتھ غزل گوئی میں بھی کمال رکھتا تھا۔ بڑھاپے میں بھی باوجود ضعف، کمزوری اور کمر ٹیڑھی ہونے کے اہل کرم کی بزم آرائی اور نامور لوگوں کی شوق افزائی دور جام کے ساتھ ساتھ اپنے کلام سے کرتا تھا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

مثنوی

عروسی است مے شادی آئین او — کہ نتواں روان داد کابین او!!

بخاموش چہرہ زبانے دہد! — بفرتوت زور جوانے دہد!

چو پیداست چون عودتن را گہر — مے آتش کہ پیدا کند شان ہنر

ترجمہ: شادی ہے اور شراب اس کی خوشی کا قانون۔ شادی کا جہیز بھی وہ جاری نہ کر سکا۔ شراب ہی اس کی شادی کا جہیز ہے۔

خاموشی کو اپنے چہرے کی زبان دیدو یعنی خاموش رہا۔ میں اتنی باتوں کے باوجود خاموش رہا اور اپنی جوانی کی قوت میں نے بڑھاپے کو بخشی۔

اگر مرنے کے بعد اس تن (جسم) کو موت کی گہرائی کے بعد واپس لوٹنا ممکن نہیں ہوتا تو آگ کے شراب (شعلوں) میں ڈوبنا بڑے ہنر دکھاتا۔ تو بڑی ہستیاں آگ میں جل کر کمال دکھاتی۔

غزل

ہرگز دلم بغیر تو مایل نمے شود — وز دیدہ نقش روی تو زایل نمی شود

از دوریت چہ باک کہ این بعد ظاہری — اصلامیان ماوتو حایل نمے شود

دستم بریدہ بادچہ کار آیدم بگو — درگردن بتان چوحمایل نمے شود

ترجمہ: تمہارے بغیر میرا دل کسی چیز کی طرف مائل نہیں ہوتا اور نہ ہی میری آنکھوں سے تیرے چہرہ کا نقشہ پھیکا پڑتا۔

اگر چہ تم مجھ سے دور ہو تو کیا فرق پڑتا ہے یہ تو ظاہری دوری ہے۔ ہم تو ایک ہی درخت کے شاخ ہیں۔ یہ دوری ہمارے درمیان حائل نہیں ہو سکتی۔

میرے ہاتھ کو تو کٹے ہوئے ہیں۔ میں تو مبتلا ہوں ان سے کوئی کام نہیں ہو سکتا اگر کر سکتا ہوں تو کہو! میں اس طرح مجبور ہوں جیسے اگربتوں کے کاندھے پر کوئی چیز رکھا جائے جیسے وہ کاندھے پر کچھ چلانے سے مجبور ہے، ویسے میں بھی مجبور ہو۔

ملا نامی ثانی

حسین شاہ چک کے شاعروں میں سے تھا۔ بادشاہ سے پوری رسائی رکھتا تھا۔ محرم راز ہونے کے موجب گستاخی کی بھی جرأت کرتا تھا۔ عید کا خلعت پانے پر بادشاہ سے گھوڑے کیلئے یہ مصرعہ لکھ کر بھیج دیا۔ ع

خلعت شاہی مرا اسپے رسد بازین رسد

حسین شاہ نے واپس لکھ کر دیا

اینچیں کم فہم رانے آن رسد نے این رسد

ترجمہ: عید کے موقعہ پر بادشاہ کی طرف سے گھوڑے کے سوا اور کیا شاہی خلعت مل سکتا تھا۔

ایسے کم عقلوں کو نہ وہ مل سکتا ہے اور نہ یہ مل سکتا ہے۔

بابا طالب اصفہانی

چکوں کے عہد میں کشمیر آیا تھا۔ حکام کے دلوں میں جگہ بنائی تھی۔ عزت کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ امرائے کشمیر کے جھگڑے میں مصلح کے فرائض انجام دے کر کلی اصلاع کی۔ اکبر بادشاہ کے زمانے تک شاعری کے باغ کی آبیاری کی۔ بابا پورہ محلہ میں بابا خلیل کے مزار میں دفن ہے۔ ایک لطیف طبع رکھتے تھے۔

حسن ادا کے ساتھ حسن معنی کا انداز بیان تھا۔

از سر کوئے تو دل با دیدۂ ترمے رود　　شعلہ در دل نالہ برلب خاک بر سر مے رود
حرف شرح در دل گر آشنا برلب کنم　　خون زجیب دیدۂ تا دامانِ محشرے رود
شعلہ در پروانہ افتد بلبل آید در خروش　　گر بگویم بے تو مار آنچہ بر سر مے رود

....

در حلقۂ ما زمزمۂ سور نباشد　　ما غمزدگان را دل مسرور نباشد
بے روی تو بیروں کنم از دیدہ نظر را　　گر ذوق تماشائے تو منظور نباشد
ویرانۂ دل چون سر تعمیر ندارد!　　بگذار کہ ایں غمکدہ معمور نباشد

ترجمہ: تمہارے کوچہ میں تو میرا دل اپنی آنکھیں نم کئے ہوئے جاتا ہے۔ دل میں آگ کے شعلے اور لب پر فریاد اور خاک سر پر اوڑھے چلا جاتا ہے۔

اگر میں دل کی داستان سے اپنے لبوں کو آگاہ کروں تو میرے دوست کے آنکھوں سے ایسا خون جاری ہوگا جو محشر کے دامان تک جا پہنچے گا۔

جس طرح بلبل نالہ وزاری کرتا ہے جب پروانہ پر آگ برس پڑتا ہے۔ اگر میں کہو میرا حال بھی تمہارے بغیر وہی ہوتا ہے۔

ہمارے دائرہ میں ایسی محفل برپا نہ ہوگی جہاں کانا پھوسی ہو اور ہم غمگین لوگوں کا دل کبھی شاد نہیں ہوسکتا۔ کیسی بھی محفل بپا ہو وہ ہمارے دلوں کو خوشحال نہیں کرسکتی۔

میں اپنی آنکھوں کو کوریدکر نکال پھینکوں گا اگر وہ تمہارے چہرے کے سوا کچھ اور دیکھنا پسند کرے گا۔ اگر چہ تمہارے دیکھنے کے سلیقہ کا قصد یا ارادہ بھی نہ ہو۔

میرا دل ویران و پریشان ہے کیونکہ اس قلعہ کی تعمیر نہیں ہے۔ چھوڑ دو یہ ایک ایسا غموں کا گھر ہے جو کبھی آباد نہیں ہوسکتا۔

ملا مہری

علی شاہ چک کے عہد کا شاعر تھا۔فن شاعری کا باکمال عالم تھا۔حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی مدح کا ایک شعر بطور نمونہ کلام پیش ہے۔

مرتضیٰ بادشہ کشور عالی نسبی است
آفتاب است کہ برج شرفش دوش نبی است

ترجمہ:حضرت علیؓ ایسا بادشاہ ہے جو نبیؐ کے عالی شان ملک میں حکومت کرتا تھا۔وہ ایسا آفتاب ہے کہ جس کا ٹھکانہ نبیؐ کے دوش مبارک پر ہے۔

محمد امین مستغنی

کشمیر کے اصل باشندے تھے۔یوسف شاہ کے مصاحب تھے۔ذہن، سلیم اور موزون طبیعت رکھنے والے تھے۔زبان میں ایرانی شاعروں کے ہم پلہ تھے۔نمونہ کلام یہ ہے۔

جہاں زگم شدۂ من اگر ہمہ خبراست
سردلے کہ بگیرم از وسراغ کجااست

سیاہی شب مارا بہ برد پر تومہر
رخے کہ دررہ مامے نہد چراغ کجا است

ترجمہ:اگر دنیا مجھے میرے کھوئے ہوئے یار کا پتہ دے دے گا میں اپنا سر دے کر اس کا پتہ لگاؤں گا کہ وہ کہاں ہے۔

جب میں اس کو کھوجنے (تلاش کرنے) نکل جاؤں گا تورات کی سیاہی مجھے اس چاند کے قریب پہنچا دے گا اور وہ چہرہ جو میرے راستے میں آئے گا وہ کہے گا کہ چراغ کہاں ہے۔

کشمیر کے متعلق ان کی یہ رباعی کیا برجستہ ہے:

دو شنبہ بچشم دل نہاں از مردم!!
دیدم نہ بہشت بلکہ کشمیر دوم!
خاک زعبیرو مشک آگندہ ضمیر!

آبے ز صفا وجود خود ساختہ گم!

ترجمہ: سوموار کو میں نے اپنے دل کی آنکھوں سے لوگوں سے چھپ کر میں نے جنت نہیں بلکہ دوسرا کشمیر دیکھا۔

اس کشمیر کی خاک جیسے عنبر اور مشک کی خوشبو سے مل کر خمیر بنائی ہو اور پانی ایسا جو جنت کی نہر (جود) کوہ جود سے جس کی صفائی نکلی ہو۔

سید جمال الدین کے مقبرے کے باہر محلہ آروٹ میں دفن ہیں۔

میرزا علی خان

مجرم بیگ تاشیلقی کے بیٹے تھے۔ بے نظیر شاعر تھے۔ ان کا کلام شستہ اور برجستہ ہے۔ بھگوان داس کی فوج پر یعقوب خان کی شبخونی پر مارے گئے۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔

شام چواز چہرہ فگندی نقاب تاب نیا دررشت آفتاب

ترجمہ: محبوب ئے چہرے لوشام سے تشبیہ دی ہے۔ جیسے میرے محبوب نے اپنے چہرہ پر نقاب ڈالا ہو اور آفتاب اس کا صبر نہ لاسکا اور آفتاب تھک کر بیٹھ گیا۔

شاہ ابوالفتح

ایران کے عالموں میں سے تھے۔ موزون طبیعت والے خوش بیان شاعر تھے۔ بھکن کے شہر سے آکر اکبر بادشاہ کے دربار میں رسائی حاصل ہوئی۔ ۹۹۵ھ میں بادشاہی لشکر کے ساتھ کشمیر آئے اور یہاں ہی ٹھہر گئے۔ آخر پر تپ محرقہ کی بیماری سے وفات پائی۔ اور درجن کے مزار شعراء میں پل کے متصل دفن ہوئے۔ عرفی کے سرپرست اور ممدوح ابوالفتح کی تعریف میں ایک بلند پایہ قصیدہ لکھا ہے جس کا ایک شعر یہ ہے:۔

میر ابوالفتح آنکہ لوح دانشس!! برسر افہام واز ہاں دیگر است!

ترجمہ: میر ابوالفتح جیسے علم و دانش کی کتاب ہو اور عقل و فہم کا آغاز جیسے دوسرا ہے۔

اہل تشعیہ کو ان سے عقیدت ہے اور ان کی قبر کی زیارت کو جاتے رہتے ہیں۔

مظہری کشمیری

اونچے درجے کے باکمال شاعر تھے۔ شعر و سخن کے فن اور آداب شاعری سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ ہندوستان، خراسان اور ایران کی سیاحت میں ان ملکوں کے شاعروں سے ملاقات کی۔ محتشم کاشی سے دوستی تھی۔ ایران سے واپسی پر بادشاہ جہانگیر کے زمانے میں کشمیر کی میر بحری پر جو یہاں کا سب سے بڑا عہدہ تھا مامور ہوگئے۔ ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

رباعی

مظہر بجہاں چون بے نصیباں مے باش وزگل بنوائی عندلیباں مے باش
بادیدنی از خوبی عالم مے ساز مہمان نظارہ چو غریباں مے باش

ترجمہ: اگر تم دنیا میں چھا جانا چاہتے ہو تو بے نصیبوں کے ساتھ رہو اور اگر پھولوں سے بنوائی چاہتے ہو تو عندلیبوں کے ساتھ رہو۔

غزل

لطیفے نہ کردہ وہرز دیوانہ پرشدہ است حرفے نگفتہ شہر زافسانہ پر شدہ است
یک قطرہ از قربۂ ساقی فروچکید!! چندیں ہزار ساغر وپیمانہ پرشدہ است
درخون خویش دست زداز غصہ مظہری کزشاخ سنبل تو کف شانہ پرشدہ است

ترجمہ:

ساقی کی مشک سے ایک قطرہ پانی گرنے سے بہت ہزار دریا اور پیمانے بھر گئے۔

مظہری نے غصہ کی وجہ سے اپنے ہی خون میں ہاتھ ڈالا تو سنبل کے پھولوں کی ٹہنیوں سے تمہارا کاندھا بھر گیا ہے۔

رباعی

در عشق بہ آہ و نالہ مے باید زیست!! دل کردہ بغم حوالہ مے باید زیست!

آمادۂ کفن فنگدہ درگردن جان!! کم مہلت ترز لالہ مے باید زیست!

ترجمہ: عشق کا دستور یہی ہے کہ سوز و نالہ اور فریاد میں گزارا جائے اور دل کو غم کے حوالے کر دیا جائے اور یہی عاشق کے لئے زندگی گذارنے کا طریقہ ہے۔

میرا معشوق اپنی گردن میں کفن اوڑھے تیار ہے اور پاک اور پاکیزہ لوگوں کی اس دنیا میں زندگی گذارنے کی مہلت کم ہوتی ہے۔

ان کا دیوان چھ ہزار شعروں سے زیادہ ہے۔ ۱۰۲۶ھ میں وفات پائی۔ ملہ کھاہ میں دفن ہوئے۔

میر حسن کشمیری

رسمی علموں کے بڑے عالم تھے۔ فطرتی شاعر تھے۔ شاعری کے علاوہ میر علی سے خط نستعلیق کے ہنر کو سیکھا اور اس فن میں اتنا بلند درجہ پایا کہ ہندوستان، ایران اور توران کے لوگ کچھ نہ کچھ لکھوا کر ممنونہ اور فخر کے طور پر لے جاتے تھے۔ کتبے ان سے لکھوائے جاتے تھے۔ محمد مراد "زرین قلم" ان ہی کے شاگرد تھے۔

اُوجی کشمیری

فارسی مادری زبان نہ تھی۔ مگر فارسی مادری زاد شاعروں کے ہم پلہ تھے۔ فصاحت، بلاغت اور سخنوری کے آسمان کے آفتاب تابان تھے۔ آصف جاہ کے مداح تھے۔ آصف جاہ کے انتقال کے بعد یہاں کے صوبیداران کی بڑی عزت اور قدر دانی کرتے تھے۔ ان کا "ساقی نامہ" قابل قدر اور قابل دید تصنیف ہے۔ جس کی متانت اور رنگینی کمال کی ہے۔ ملا صوفی نے جب ان کے ساقی نامہ کا یہ بیت سنا۔

مراد امن خویش زنجیر شد مرا دست درآستین پیر شد

ترجمہ: مجھے میرا دامن ہی میرے لئے زنجیر بن گیا یعنی اپنے میرے لئے مصیبت بن گئے اور میرا

ہاتھ بوڑھے کے آستین میں آگیا جس کو پکڑنا فائدہ مند نہیں ہے۔

تو نہایت خوش ہوکر بولے۔ اگر میں نے یہ بیت پہلے سنا ہوتا۔ تو میں ساقی نامہ لکھنے کی خواہش نہ کرتا۔ حالانکہ ملا صوفی بذات خود بلند پایہ کے شاعر تھے۔ ۱۰۳۲ھ میں رحلت کی۔ ان کا ایک دیوان ہے، جو رنگین معانی سے پر ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

مثنوی

لب از ہم بجز نالہ نہ نہادہ ام — بما تم مگر تواماں زادہ ام!!
مراشیشہ بردوش باران سنگ — نہ یا رائے رفتن نہ پائے درنگ!
مرادامن خویش زنجیر شد — مرادست درآستین پیرشد!
چناں در غمش دیدہ خونبارشد — کہ ہر شب جائے خوابم جگر زارشد!
بیاساقی آن راوق تاک را — ضیا بخش خورشید ادراک را!
بدہ تابدانم کی آن نوش لب — چرا میگریزد زمن بے سبب
نسیم سحر خاطر انگیز شد — زسیمائے گل آتشم تیزشد
بیک نغمہ پردازی ازعنوان — دلم از رہ گوش آید برون
نمے بینم اوجی درآفاق جائ — سفر بایدم کرد ازین تنگنائے

ترجمہ: میرے ہونٹ نالہ اور فریاد کے کچھ نہ کرسکا مگر میرے ان نالہ شور اور غوغا سے یہ فائدہ تو ہوا کہ میرے ماتم سے تو امن واماں میں رہ گیا۔

مجھے شیشہ ہے کندھے پر اور باری پتھر اوراوپر سے مشکل یہ ہے کہ نہ اپنی رائے سے چل سکتے ہیں اور نہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کے۔

میرا ہی دامن میرے لئے زنجیر بن گیا اور میرا ہاتھ بوڑھے کے ہاتھ میں آگیا جس کو پکڑنا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اس طرح اس کے غم میں میری آنکھیں خونبار ہوگئی کہ رات کو میرے سونے کی جگہ میرے لئے بہت

مصیبت کی جگہ بن گئی۔

آجاؤ پلانے والے وہ شراب مجھے پہلے ہی پلادو۔ تب ہی ہم خورشید (آفتاب) جو نور دینے والا ہے اس کو پیمان یادرک کر سکتے ہیں۔

دیدوتا کہ میں جان لو وہ لبوں کو پینے والا کیا ہے۔ کیوں وہ بلا وجہ اور بے سبب مجھ سے دور بھاگتا ہے۔

صبح کی ہوا ایسی تھی جو یادوں کو تازہ کرتی تھی اور پھولوں کے باغ میں میرے آگ کو تیز کر دیتے تھے۔

ایک عنوان کے نغمہ پردازی پر میرا دل اتنا فدا ہوا کہ میرا دل میرے کانوں کے راستے سے نغمہ سن کر باہر آ گیا۔ اتنا تڑپ اٹھا یہ دل۔

اوجی اپنے آپ سے کہتا ہے کہ اوجی میں آسمانوں میں کوئی جگہ نہیں پاتا ہوں وگرنہ اس زمین کی تنگ جگہ سے ضرور سفر کرنا تھا۔

شعر ملاحظہ فرمائے۔ اور خیال آفرین پر دھیان دیجیے۔

اوجی چراغ عمر بافسانہ سوختیم	کارے نکردہ ایم دومیلان گرفت صبح
ہر سر کہ بستہ خم فتراک او بود	دانم یقین کہ روز جزا سرخرد بود
از بس کہ خیال زلف تو در سینہ ام گرفت	آہے کہ تیر زند زدلم مشکبو بود

ترجمہ: اوجی اپنے آپ سے کہتا ہے کہ ہم نے اپنی زندگی کا چراغ بے فائدہ جلا دیا اور ہم کچھ نہ کر سکے۔ زندگی میں کچھ کرنے کی امید تو تھی مگر میں ابھی دور اہے پر ہی تھا کہ زندگی تمام ہوگئی اور صبح ہوگئی۔

جس کسی کا سر اس کے سامنے جھکا ہو مجھے یقین ہے کہ قیامت کے دن اس کا سر عقلمند ہوگا یعنی اصلی چالاک وہی ہے۔

جب سے تیرے گیسو (زُلف) کے خیال نے میرے سینے میں گھر کیا میرا دل ایسے آہ کھینچتا ہے جیسے ایک تیر اس کے پار ہوا ہے۔

غزل

نشستہ عکس جمالت چناں بخانہ چشم — کہ کسب نور کند مہرز آستانہ چشم
چو دیدہ باز کنم بر رخ تو از حیرت — کند نگاہ فراموش راہ خانہ چشم
بیا کہ بے تو ہمے تا بگردن اندر خون — نشستہ مرغ نگاہم در آشیانہ چشم
بجائے سبزہ شرری دندز خاک او جی — بہر کجا کہ برافشاندہ ایم دانہ چشم

ترجمہ: میرے آنکھوں میں تمہارے جمال وخوبصورتی کے عکس نے گھر کرلیا ہے یعنی وہ میرے آنکھوں میں بیٹھ گیا ہے کہ اس نور نے میری آنکھوں کے آستانے کو روشن کیا ہے۔

جب میں اپنی آنکھوں کو کھولتا ہوں تو میں تیرے چہرے کو حیرت سے دیکھتا ہوں تو میری نظر اپنے گھر (چشم یعنی آنکھ) کا راستہ ہی بھول جاتی ہے۔

آجاؤ کہ تمہارے بغیر سارا خون گردن کے اندر رستا ہے اور میری نظر کا مرغا اپنے آنکھوں کے گھونسلے میں ہی بیٹھتا ہے یعنی کسی چیز کو دیکھنے کا شوقین نہیں دیتا۔

اوجی سبزہ کے بجائے خاک میں چنگاری بھرتا ہے جہاں کہیں بھی اس نے اپنے آنکھوں کے آنسو بہائے ہو۔

ملا ذہنی کشمیری

اپنے وقت کے بلند پایہ شاعروں میں سے پرہیزگار، خداترس، علم دین کے بڑے عالم تھے۔ چار یار باصفاؓ کی تعریف میں ایک مدلل منقبت لکھی ہے۔ جب یہ قصیدہ بابا نصیب الدین غازیؒ کی نظر سے گذرا تو انہیں حد درجہ پسند آیا اور تحسین بلیغ فرمائی۔ ملاحظہ فرمائیے۔

یار پیغمبر نشاید برگزیدن خبر چہار — حجت آن بشنواد ذہنی کہ باشد یادگار
از ملایک وز کتب جز چار نگزیداست حق — کین عدد مستحسن است داز روی معنی در شمار
نہر خلد در کن کعبہ اصل طبع وفصل سال — بین چہاراست وچہاراست و چہاراست وچہار

ترجمہ: پیغمبرؐ کے دوست اور چار یارؓ کے سوا تم چن نہیں سکتے۔ ان کی وجہ سن لو تا کہ تمہارے ذہن میں ہمیشہ یاد رہے۔

فرشتوں اور کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ حق نے ان کے سوا نہیں چنے کیونکہ یہ عدد معنی اور شمار کے لحاظ سے برابر ہے۔

جنت کی نہر، کعبہ کے رکن اور طبیعت کی اصل اور سال کے موسم ان ہی چاروں میں ہے اور وہ چار ہے چار ہے اور چار ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی منقبت کی ابتداء یوں کی ہے۔

مقبول شرعم تا شدم مردود مردان دین　　یعنی منم مدحت گر فاروق امیر المؤمنین
آن برتر از درک غنی دامادِ داماد نبیؐ　　قدرش چہ داند اجنبی گواز حسد در خون نشین

ترجمہ: دین میں جو مشہور اور مقبول ہوا اور مرد دین بن گیا اور پھر میں بھی فاروق امیر المومنینؓ کا مدح پڑھنے لگا۔

اس سے برتر کون ہے جو داماد ہے دامادِ نبیؐ کے۔ پرائے اور اجنبی اس کی قدر کیا جانے اور وہ عداوت سے خون بہاتے ہیں۔

غزل

خورم دل از لطف گلستان کس نیم　　روشن نظر زشمع شبستان کس نیم
دانشورم زفیض ولے نکتہ دان خویش　　طفل طمانچہ خوردہ دبستان کس نیم
کلکم زنظم خود ہمہ شب بیت زد رقم　　سرگرم انتخاب زدیوان کس نیم
ہمت نمے فروشم منت نمے خرم　　یعنی مراد دل طلب از خوان کس نیم
ماند نکتہ سربگریبان نشستہ ام　　دست طمع دراز بدامان کس نیم
ذہنی چو آستانہ مقیم درخودم　　لب تشنہ اجازت دربان کس نیم

ترجمہ: اے آدھے دوست (کس نیم کا مطلب آدھے اپنے جو پوری طرح اپنے نہ بن سکے) میں

باغ کالطف اٹھا رہا ہوں اور میرا دل شاد وخوش ہے۔تم کیا جانو وہ تو روشن نظر ہی شبستان کے شمع کی قدر جانتا ہے۔

میں دانشور ہوں وہ اپنے فیض اور کرم اور نکتہ دانی سے ورنہ میں دنیا کے اس باغ میں آدھے دوست کی وجہ سے بچے کی طمانچہ کھاتا۔

پوری رات میرے قلم کی نوک نظم کی تلاش میں تھی کچھ لکھنا چاہتی تھی اور اس سرگرمی میں تھے کہ کس کا دیوان انتخاب کرے۔

میں اپنی ہمت نہیں بیچ ڈالوں گا اور نہ کسی کی منت لے لوں گا یعنی دل کی مراد اور دل کی طلب کس آدھے اپنے پر ظاہر کروں یعنی آدھے اپنے سے مراد کہ اپنا کوئی نہیں اس دنیا میں۔

میں اپنا سر گریبان میں ڈال کے بیٹھا ہوں اور اس نکتہ پر غور کر رہا ہوں کہ میں اپنی طمع اور آرزو کا ہاتھ کس کی دامان کی طرف بڑھادوں کیونکہ سب آدھے اپنے ہیں۔

میرا ذہن میرا آستانہ ہے جو میرے اندر قید ہے۔یعنی لوگ میرے اندر ہے اور سارے پیاسے لب ہے تو دروازہ پر بیٹھا ہو دربان کس کو اجازت دیں دے۔

رباعی

گرباتو کنم آرزوی دیدن گل   آمادہ نگاہ برپرستیدن گل!!

آگہ کند از جنون من بلبل را   چشمک زدن نرگس وخندیدن گل

ترجمہ:اگر میں تیرے ساتھ پھولوں کو دیکھنے کی آرزو کروں تو تم اپنی نظر کو پھولوں کی پرستش کے لئے تیار کرو۔

تو تم میرے جنون اور دیوانگی سے بلبل کو خبردار کرو گے اور نرگس کے پھول کو پلک جھپکانے سے اور پھولوں کو مسکرانے سے۔

حاجی جان محمد قدسی

اصلی وطن مشہد مقدس تھا۔ رضوی تھے۔ کچھ مہموں کی سرانجام دہی کے لئے ہندوستان آئے۔ شاہجہاں نے قدردانی کی۔ ملک الشعراء کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ شریں زبان، فصیح بیان، بلند خیال شاعر بے مثال تھے۔ قصیدہ گوئی اور غزل گوئی میں وقت کے مانے ہوئے استاد تھے۔ کلام سلیس اور فصاحت وبلاغت سے لبریز ہے۔ ظفر نامہ شاہجہانی میں اپنا جوہر اور طبیعت کی جولانی دکھانے کی پوری کوشش کی ہے۔

جب عبداللہ خان فیروز جنگ کے نام کو ''بحر'' میں نبھانے کی گنجائش نہ پائی۔ تو اس کو یوں ادا کیا۔

نہنگے از غایت احتشام
نگنجد بہ بحر از بزرگیش نام

ترجمہ: مگرمچھ کے بڑھائی کی یہ حد ہے کہ سمندر میں بحر کے لفظوں میں اس کی بڑھائی اور اچھائی نہ سما سکتی۔

جس وقت سفید ہاتھی کو سجا کر بادشاہ کی نظر میں گذارنے کے لئے سامنے لایا گیا۔ تو یہ رباعی البدیہہ بادشاہ کو سنادی۔

برفیل سفیدش کہ مبیناد گزند　　شد شفیتہ ہر کس کہ نگاہے افگند
چون شاہجہان برو برآمد گوئی　　خورشید شد از سفید صبح بلند

ترجمہ: سفید ہاتھ پر کبھی بھروسہ نہ کرنا وہ کبھی بھی کاٹ سکتا ہے۔ ہر ایک حیران رہ گیا جس کی نظر اس پر پڑی۔

چونکہ شاہجاں ایسا خوبصورت اور عالی ہے کہ سب کہتے ہیں کہ آفتاب کو بھی سفید اسی کی وجہ سے ملی جب وہ صبح بیدار ہوا تو آفتاب کو روشن کیا۔

بادشاہ نے خوش ہو کر انعام واکرام سے نواز۔ کشمیر کی تعریف میں جو مثنوی لکھی ہے اس کے چند اشعار ضیافت طبع کے لئے پیش ہیں۔ راستہ نہایت مشکل ہے۔

بود قطع رہ کشمیر مشکل!! بحق نتواں رسید از راہ باطل
مگرزین راہ باریکت خبر نیست کہ گوئی مکوہ را موئ کمر نیست
زبیم این رہ باریک و خونخوار خلد موئ کمردر دیدہ خار
گردہے دست از جان برفشاندہ درین رہ چون گرہ برتار ماندہ
رہ فقیر ازرہ کشمیر پیداست کہ گام اول اوترک دنیا است
ازین رہ چون تو ان آسان گذشتن کہ گام اول است از جان گذشتن
رہ ہمچوں دم شمشیر باریک جہاں درچشم رہ پیماش تاریک
زبس در رفتش تدبیر کردہ فلک را فکر این رہ پیر کردہ

ترجمہ: کشمیر کے راستوں کو طے کرنا بہت مشکل ہے اور خدا کی قسم کہ ان غلط راستوں کو طے کرنا آسان نہیں۔

ان باریک اور پتلے راستوں کو ختم ہونے کی بات ہی نہیں یعنی بہت لمبے اور پتلے راستے ہیں اور جیسے ان کوہ اور پہاڑوں کو کمر کا داگا ہی نہیں جوان کو سیدھا رکھتا یعنی یہ ٹیڑھے ہیں۔

اس پتلے اور خون بہانے والے راستوں کے ڈر سے اور اس جنت جیسی جگہ میں ہم نے اپنے کمر کا داگا کانٹے میں دیکھا یعنی مصیبت میں دیکھا۔

اس راستہ پر گزرنا اپنی جان ہتھیلی پر لے کر گزرنا ہے اور اس راستہ میں جیسے داگا کو گرہ باندھنے کے برابر ہے۔ یعنی اس راستہ سے گزرنے کے لئے نذرونیاز کی ضرورت ہے۔

غربت کا راستہ کشمیر کے راستہ سے پیدا ہوتا ہے کہ اس طرف پہلا قدم ہی جیسے دنیا کو وداع کہنا ہے۔

اس راستے سے چونکہ آسان گزرنا جیسے پہلا قدم ہے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھنا ہے۔

اس کا راستہ شمشیر کی دھار سے زیادہ پتلی ہے اور دنیا ناپنے کے لحاظ سے اندھیرا ہے یعنی دنیا تاریک ہے اس کے بغیر۔

اُدھر جانا ہی جیسے تدبیر کرنی ہے۔ اس راستے کی فکر نے آسمان کو بھی بوڑھا کیا ہوا ہے۔

دیکھئے کیا فوٹو کھینچا ہے اور حقیقت حال کو کس انداز اور پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ تین سو برس سے زیادہ گذر گئے۔ اور اس ترقی کے زمانے میں بھی کشمیر آنے کا کوئی راستہ بے خطر نہیں۔ جہلم ویلی روڈ، بانہال کاٹ روڈ، زوجیلا روڈ، تراگہ بل روڈ، پگ ڈنڈیاں، دروں اور گھاٹیوں کے راستے سب کے سب خطرناک ہیں۔ کہتے ہیں کہ قدسی اپنے بیٹے محمد باقر کی بے وقت جوان مرگی سے اتنا دل شکستہ ہوا کہ وطن جانے کا پھر نام نہ لیا۔ ہندوستان میں عمر گذاری، آخر عمر میں کشمیر آئے اور یہیں سکونت اختیار کی۔ ۱۰۵۵ھ میں وفات پائی۔ در گجن پل کے ساتھ جو مزار شعرا ہے اسی میں دفن ہوئے۔ کشمیر کے قیام کے دنوں میں ایک دفعہ ایک غزل لکھی تھی۔ اتفاق سے ایک مکتب کے ملا کو سنانے لگے۔ جب اس شعر

ساقی بصبوحی قدری پیشتراز صبح

برخیز کہ تا صبح شدن تاب نداریم

ترجمہ: یعنی اسے پلانے والے تھوڑا زیادہ پلا جب تک صبح ہو جائے اٹھو کیونکہ مجھے صبح ہونے کی طاقت نہیں۔

پر پہنچے تو ملا کا ایک لڑکا بولا۔ مولانا اگر بجائے ''قدرے'' ''نفسے'' ہوتا صبح کی مناسب کے موجب زیادہ اچھا لگتا۔ قدسی کشمیری لڑکے کے اصلاح کرنے پر نہایت خوش ہوگئے۔ یہ غزل پڑھ کر لطف اٹھایئے۔

نگہت عشوہ گر وعربدہ سازاست ہنوز	چشم مخمور تو سرفتنہ ناز است ہنوز
تازہ شد دولتے مابخط تازۂ تو	ناز کن ناز کہ آغاز نیاز است ہنوز
خاک شد پیکر محمود تاثیر وفا	دال اودرشکن زلف ایازست ہنوز
راہ نزدیک حرم سعی مراباطل کرد	لیک شادم کہ رہ عشق درازست ہنوز
گرچہ بنود سرموئ زحقیقت خالی	دل قدسی زپے عشق مجازاست ہنوز

ترجمہ: تمہاری خوشبو اور تمہاری رنگ بدلے انداز اور دلفریب اور دھوکہ دینے والے انداز اب بھی دل کو موہ لینے والے ہیں اور تمہاری شراب بھری آنکھیں اب بھی فتنہ برپا کرنے والے ہیں۔

ہماری حکومت تمہارے رابطہ کے ساتھ تازہ دم ہوئی۔ تمہاری ناز اور تمہارا ہمارے ساتھ رابطہ کا ابھی

آغاز اور شروعات ہے۔

محمود غزنوی کا جسم خاک بن گیا تاثیر سے وفا سے اور اس کا دل ابھی ایاز کے زلفوں میں چھپا ہے۔

حرم کا راستہ نزدیک ہے مگر میری کوشش اور سعی بیکار ہے لیکن میں خوش ہوں کہ عشق کا راستہ محبوب راستہ اگر لمبا ہے بھی تو کچھ نہیں۔

اگرچہ سر کے بال حقیقت سے خالی نہیں لیکن فرشتہ صفت دل ابھی بھی عشق مجازی کے درپے ہیں۔

بیان کو مثال پیش کر کے ثابت کرنے میں صائب اور غنی کاشمیری مانے ہوئے استاد ہیں۔ قدسی کو بھی دیکھئے۔

زو بہ کردم من بے صبر داغ خویش را — اول شب مے کشد مفلس چراغ خویش را
جوانی رفت داغ ماند یادگارا زوئے — چون آن سرخی کہ برناخن پس ماز رنگ حنا بندد
اگر دستم دہد روزی بجیب زاہد خود بین — چو شمع آرم بروں یکدستہ زنار از گریبانش

ترجمہ: میں نے جلدی کی اور میں نے بے صبری اپنے داغ کو دکھائی جس طرح مفلس اور غریب رات کے پہلے حصے میں اپنا چراغ روشن کرتا ہے اور آخر شب کا بھروسہ نہیں ہوتا۔

جوانی چلی گئی اور اس کی یاد کا داغ باقی رہ گیا۔ اس طرح جس طرح مہندی کا رنگ جانے کے بعد ناخن میں نشان باقی رہتا ہے اس طرح تمہاری یاد کا داغ باقی رہ گیا ہے۔

اگر میرا ہاتھ ایک دن زاہد کے جیب میں دے کے دیکھ لوگے وہ جیسے شمع دل پر رکھنا اور گریبان میں آگ برسانے کے برابر ہے۔

طغرائے مشہدی

خوش خیال، خوش فکر اور خوش معنی شاعر تھے۔ انشاء پردازی میں کمال رکھتے تھے۔ ان کے خطوط خیال بندی کے طرز پر نہایت دل پسند ہیں۔ شاہزادہ مراد بخش کے ملازم تھے۔ ان کی مدح میں ایک عالیشان قصیدہ لکھا ہے۔ یہ بیت اسی میں سے ہے۔

دارائے عرش وکوکبہ سلطان مراد بخش

زینت فزائے کرسی وادرنگ آسمان

آخر عمر میں میرزا ابو القاسم دیوان مشہور بقاضی زادہ کی تحریک سے کشمیر آئے۔ محلہ نائیدیار میں دیوانے کی طرح ایک دکان پر رہتے تھے۔ اور شاعری میں مشغول تھے۔ کشمیر کی تعریف اور راستے کی تکلیف کے بارے میں جو مثنوی لکھی ہے۔ وہ شاعری کا بلند نمونہ ہے۔ تعریف کشمیر میں سے ایک شعر:۔

خوش آن ساعت کہ بزم آرانشینی برلب جوئ

خط پشت لبت چشم قدح راگرد ابروئ

ترجمہ: وہ وقت کتنا اچھا ہے جب آبشار کے پاس محفل سجائی گئی اور آپ کے لبوں کے پیچھے آپ کی آنکھیں اس ابرو کے نیچے اس کی عکاسی کرتا تھا۔

باغوں اور میوؤں کی تعریف میں تو غضب ہی کیا ہے۔ ع

درخت آبی از بے آبی روی بہی ندیدہ

بیت

کنم تحریر وصف ناشپاتی

نماید صفحۂ کاغذ نباتی

ترجمہ: اگر میں ناشپاتی کی صفت کو تحریر کروں تو تمام گیاہ اور پودے کاغذ کے صفحہ بننے چاہیئے۔

موسم خزان

کشمیر بود فصلِ خزان عالم نور

برطالب فیض دیدنش ہست غرور

گوی کہ درین باغ چمن ساز قضا

آوردہ نہال شعلۂ از خرمن طور

ترجمہ: کشمیر موسم خزاں میں نور کا عالم بن جاتا ہے اور ہر طالب کو اس کو دیکھنے کے لیئے ضرور آنا

چاہیئے۔

تو کہتا ہے کہ اسی باغ کے چمن میں تمہاری موت ہوگئی اور اس کی نہاں اور شعلہ خرمن طور سے لائی گئی۔

کشمیر ہی میں وفات پائی۔ مزار شعراء درگجن میں دفن ہوئے۔

قاضی ابوالقاسم

قاضی شریح کی اولاد میں سے تھے۔ اسی سبب سے قاضی زادہ کے نام سے مشہور تھے۔ شاہجہاں کے عہد میں کشمیر کے مستقل دیوان تھے۔ بھڑکنے والی طبیعت اور ناقدانہ ذہن رکھتے تھے۔ علم کے تمام شعبوں خاص کر شعروشاعری کے فن میں سحر کاری کرتے تھے۔ کاموں کی کثرت کار کے باوجود عیش وعشرت میں دن گذارتے تھے۔ سدِ (بنڈ) قاضی زادہ اسی کا بنوایا ہوا ہے۔ مزار شعراء میں دفن ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

خالی ازذکر تو عضوے چہ حکایت باشد
سرموئے بغلط درہمہ اندامم نیست

محمد قلی سلیم

شاہجہاں کے عہد میں ایران سے ہندوستان آئے۔ نواب اسلام خان وزیر اعظم کی صحبت میں دن گذارکرتے تھے۔ سخنوری اور شاعری کے میدان کے شہسوار تھے۔ فکر رساں اور بلند خیال کے مالک تھے۔ مثنوی قضا وقدر اور مثنوی در تعریف کشمیر میں ان کے خیالات کی بلندی کے نمونے ہیں۔ آخری عمر میں چند امیروں کے ساتھ کشمیر آئے۔ یہاں طبیعت بگڑ گئی اور راہی ملک بقا ہوگئے۔ مزار شعراء میں دفن ہوئے۔ ان کا دیوان مشہور ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

چشم تو زبیماری خود برسرناز است — مژگان تو ہمچون شب بیمار درازاست
گدائے کوئے خراباتم وغمم این است — ماہے موم بہ آتش چورسد آب شود

دل چوشدگرم زمے جلوہ معشوق کند | کہ بادہ آتش سوزان وکاسہ چوبین است
توان از دانہائے سجہ دانست | کہ دلہارا بدلہاراہ باشد
درتلاش سوختن چون کاغذ آتش زدہ | داغہائے سینہ ام باہم بجنگ افتادہ است
بعیش آباد ہندوستان غم پیری نمے باشند | کہ مونتوانداز شرم کمر ہاشد سفید انجا
کمترنیم از قیصر وفغفور کہ من | درہند سیہ بختی خود شاہ سلیم

سال وفات ۱۰۵۷ھ ہے۔

میرزا طالب کلیم

جائے ولادت ہمدان ہے۔ جب اکبر بادشاہ نے قدسی کو سونے کے ساتھ تولا اور کلیم نے یہ خبر سنی تو وہ نہایت رنجیدہ ہوا اور کہا جس آدمی کی زبان جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دینی چاہئے تھی۔ اس کو سونے کے ساتھ تولا گیا۔ پھر کیا تھا۔ اصفہان سے شیراز گیا۔ اور رسمی علوم میں کمال حاصل کر کے ہندوستان آیا۔ مدت تک دکن اور ہندوستان کے دوسرے ملکوں کی سیر کی۔ آخر کار شاہجہان کے دربار میں رسائی حاصل ہوئی اور دربار کے ملازموں میں شامل ہوگیا۔ ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کرنے کی قدرت رکھتا تھا۔ آخر عمر میں بادشاہ نے شاہنامہ شاہان چغتایہ نظم کرنے کی غرض سے کشمیر بھیجا۔ ملا طاہر غنی کے ساتھ دوستی ہوگئی۔ تھوڑے عرصے کے بعد یہی سے عدم کا راستہ لیا۔ مزار شعراء میں دفن ہوا۔ غنی نے مرثیہ لکھا:-

حیف کز دیوار این گلشن پرید | طالبان آن بلبل باغ نعیم
رفت وآخرخامہ را ازدست داد | بے عصاطے کرداین رہ [illegible]
اشک حسرت چون نمے زیرقلم | شد سخن ازمردن طال[illegible]
ہردم از شوقش ودل اہل سخن | چون زبان خامہ میگ[illegible]
عمرہا درباد اوزیر زمین!! | خاک برسر کرد [illegible]
عاقبت از اشتیاق یکدگر | گشتہ اندر این ہرسہ درمج[illegible]

گفت تاریخ وفات او غنی طور معنی بود روشن از کلیم

کلیم نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان کے دیوان کے علاوہ، مثنوی در تعریف ہندوستان وکشمیر اور فیل جنگ شاہجہاں شاعری کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

تاشد مژہ بے اشک فتاداز نظر من اکنون چکنم رشتہ کہ وقتے گہرے داشت

دوست بہ ہیچم فروخت باہمہ یاری یار فردوشی درین زمانہ ہمیں است

میان غم گسار ان سوزم از غم چون آن کشتی کہ دردریا یسوزد

مفلسان راکس نمے خواہد زمینا کن قیاس تاتہی شد دیگرش کس دست درگردن نکرد

وضع بہرسان کہ بسازی بعالمے! یاہتے کہ از سر عالم تو ان گذشت

بدنامی حیات • دور زے بنود بیش گوید تراکلیم کہ آنہم چان گذشت

یکروز صرف بستن دل شد باین وآن روزے دگر بکندن دل از جہان گذشت

میر الٰہی

ایران کے سیدوں میں سے تھے۔ نکتہ سنجی اور سخندانی میں بے نظیر تھے۔ ہندوستان آئے اور بادشاہ جہاں گیر کے ندیم اور مصاحب خاص ہو گئے۔ انعامات پاتے رہے۔ شاہجہاں کے عہد میں جب ظفر خان احسن کو کشمیر کی صوبیداری بخشی گئی، شاہجہاں نے میر منشی سے کہا کہ ظفر خان سے ضامن لے لیں کہ کشمیریوں کو اپنے آپ سے راضی رکھے اور ظلم نہ کرے۔ میر الٰہی حاضر تھے۔ عرض کی۔ ''خدا ضامن رسول وچار یارش'' بادشاہ نہایت خوش ہوا۔ ظفر خان نے التماس کی۔ میر الٰہی کو میرے ساتھ دیں۔ بادشاہ نے منظور کیا۔ اور میر الٰہی ظفر خان کے ساتھ کشمیر آئے۔ یہاں ہی ڈیرہ ڈال کر باغوں اور گلستانوں کی سیر میں دن گذاری کرنے لگے۔ کہتے ہیں کہ آخوند ملاشاہ نے یہ بیت کہا تھا۔ اور پتھر پر سونے کی روشنائی سے لکھوا کر نصب کرایا تھا۔

پادشاہی واگذار دست آگاہے گزین

چوں بہ آگاہے رسیدی ہرچہ خواہی میگزین

ترجمہ: ایک بادشاہ نے آگاہی اور خبرداری کا ہاتھ دے دیا یعنی چن لیا اور جب تم خبرداری اور آگاہی پر پہنچ گئے تو جو کچھ تم چاہو وہ کرلو تمہیں کوئی بندش نہیں۔

میر الٰہی کا گذر کتابہ سے ہوا۔ فی البدیہہ نیچے لکھ دیا۔

من نمے گویم گدای یا شہنشاہی گزین
خویش رامگزین دیگر ہر چہ میخوای گزیں

ترجمہ: میں تمہیں فقیر یا شہنشاہ چن لینے کو نہیں کہتا ہوں۔ خود کو چن لو پھر جو کچھ تم چن لو مگر خود کو بھلا نہ دے۔ خود کو یاد کر کے پھر کسی اور کی پرواہ کر۔

اور اس نے ملاشاہ کی عزت میں چار چاند لگائے۔ ان کی تصنیفات میں کتاب ''تذکرہ الشعراء'' اعلیٰ پیمانے کی تصنیف ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد میر الٰہی نے دنیا ئے غدار کو یہاں ہی رخصت کی اور شیخ بہاء الدین گنج بخشؒ کے مزار میں مغرب کی طرف دفن ہوئے۔ قبر کی فرش پر ایک پتھر نصب ہے جس پر یہ تاریخ لکھی ہے۔

میر الٰہی ملک نظم بود دراقلم سخن بے قرین
سال وفاتش طلبیدم زعقل گفت بگو بود سخن آفرین

نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

یاالٰہی از الٰہی .توچہ پرسی درحشر؟ خط مشکینت کتاب حسن را شیرازہ بست
چشمت ازہر گردشے بایار عہدے تازہ بست چون خمار آلودہ نتواند لب از خمیازہ بست
نشہ از تندی او دارم کہ چاک سینہ ام آنچہ او کرد تو دیدی وچہ گفتتن دارد
شب ہجران زبس لبریز کلفت گشتہ ام ریزد چون گرد از دامن مژگان نگاہ حیرت آلودہ
چنان از زان متاع زندگی رامیدہم ازکف کہ گویا کارواں عمرے آیدزپش مارا

ترجمہ: اے الٰہی تم قیامت کے دن اپنے رب سے کیا پوچھو گے کہ کالے رنگ کی یہ لکھائی یہ حسن کی کتاب کا شیرازہ بند کر دے۔

اپنی آنکھوں کو زمانے کی ہر گردش سے اپنے دوست سے نیا عہد و پیمان باندھ لے۔ کیونکہ خمار سے بھرے ہوئے لب خمیازہ کو پورا نہیں کر سکتے۔

اس کی تند خوئی کا جو نشہ مجھے ہے اس کی وجہ سے میرا سینہ چاک ہے۔ جو کچھ اس نے کیا تو نے دیکھا۔ اب کہنے کے لئے کیا بچا ہے۔

جدائی کی رات اب تکلف سے بھری ہوئی ہے اب اس کی وجہ سے میں چور چور ہوں اور ایسی حالت جیسے پلکوں کے دامن گرد سے بھرے اور نگاہیں حیران و پریشان ہے۔

اس طرح سستے میں زندگی کا ساز و سامان اپنے ہاتھ میں لے کر بھیج دوں گا کہ جیسے یہ زندگی واپس مجھ کو لوٹا دی جائے گی۔

ملا محمد صالح ندیم

نام محمد صالح، باپ کا نام خواجہ محمد علی پٹوانی۔ سکونت محلہ نوہٹہ سرینگر کشمیر، تخلص ندیم، کشمیر کے برجستہ گو شاعروں میں سے تھے۔ اصلاح کلام ملا ذہنی سے لیتے تھے۔ بدیہہ گو بسیار گو اور خوب گو تھے۔ روزمرہ اور محاورہ میں ایرانی شاعروں کے ہم پلہ تھے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

ازآہ سرد آتش داغم فرونشست ... بادبلا و زید چراغم فرونشست
گردے زچارسوی زمین جست برہوا ... برگشت درحریم دماغم فرونشست
افسردہ گشت برمژہ لخت جگر مرا ... نم در فتلیہ بود چراغم فرونشست
پامال دست برد خزان. غم ندیم ... خاروگلے کہ خاست زباغم فرونشست

ترجمہ: میری سرد آہوں سے میرے داغوں کی آگ خاموش ہوگئی۔ ایک ایسی ہوا چلی جس نے میرے چراغ کو خاموش کر دیا۔

زمین کے چاروں طرف ایسی گرد کو ہوا نے گھیر لیا اور جیسے یہ واپس لوٹ کر میری ناک کے اندرونی حصے میں آ کر بیٹھ گئی۔

پریشان اور تھکا ماندہ پلکیں لئے میر الختِ جگر ہوا اور چراغ کا فویز ابھی گیلا تھا مگر چراغ خاموش ہو گیا۔

غم ندیم میں پائمال ہاتھ خزان نے اپنے ساتھ لیا اور پھول اور کانٹے جو باغ میں سے چاہتے تھے وہ باغ میں ہی آ کر بیٹھ گئے۔

ولہ

در کشتور توکل غمناک شاد باشد	حاصل چہ شد تحمل بیداد داد باشد
تا دل دہم ہوس را غارت کند نفس را	برد زد خانہ کس را کسے اعتماد باشد
در سینہ دل وہم تن افروز داز دم من	این جا چراغ روشن از روی باد باشد
از نفس وخصلت اودل کن ندیم یکسو	باور مکن کہ بدخو نیکو نہاد باشد

ترجمہ: تمہارے ملک میں سارے غمگین خوش وخرم ہونگے اور صبر اور تحمل کا کوئی حاصل نہیں۔داد بیداد کا کوئی جگہ نہیں۔

جب تک دل دے دوار مانوں کو نفس غارت کرے گا۔اب سبوں کو فائدہ کی فکر ہے اور کسی کو کسی پر بھروسہ نہیں۔

میں اپنا دل سینہ کے حوالے کرتا ہوں اور میری تن اور جسم میرے دم سے میری وجہ سے روشن ہے اور یہاں کے چراغ تو ہوا پر ہے۔یعنی یہاں کی ہوا چراغوں کو روشن رکھتی ہے۔

شاعر اپنے آپ سے کہہ رہا ہے کہ اے ندیم نفس اور خصلت اور دل تو ایک ہوا ہے اور اس بات پر یقین نہ کرو کہ برے انسان نیک خصلت نہیں رکھتے۔

فصیحی
ملا

کشمیر کے مشہور شاعروں میں سے تھے۔شاہجہاں کے عہد میں شاعری کے باغ کی چمن بندی (باغبانی) کرتے تھے۔ملا ندیم سے اصلاح لیتے تھے۔اور ان کے ہم صحبت تھے۔ان کا دیوان مشہور ہے۔

نمونۂ کلام یہ ہے۔

حسن پیرایہ دکان ہوس نتوان کرد — شعلۂ طور چراغ دل خس نتوان کرد
چون حیا پردہ نشین شوکہ گل خوبی را — دست فرسود نگاہ ہمہ کس نتوان کرد
چلہ طلسمی راست فصیحی کہ زمیدان وفا — پیش نتوان شدو در باز بہ پس نتوان کرد

ترجمہ: حسین لوگ کبھی بھی آرزو اور ہوس کی دکان نہیں کھولتے۔ کوہ طور کا شعلہ اور آگ بھی دل کا چراغ بجھا نہیں سکتے۔

تم باحیا اور پردہ میں رہنا سیکھ کہ تم خوبصورت اور حسین لگو گے۔ کیونکہ فرسودہ ہاتھ کبھی بھی کسی کی نگاہوں کو نہیں بھاتا ہے۔

وفا ایک ایسا میدان جو فصیح اور سیدھا جادو ہے اور یہ نہ آگے اور پیچھے جاسکتا ہے۔

ولہ

آشفتہ تراست زمابسے انجمن ما — بے نور شود شمع طرب از لگن ما
برناصیہ غنچہ مانقش طرب نیست — شرمندہ برون رفتہ نسیم از چمن ما
از سوختن مانشود ہیچ تسلی — خوش برسر لطف آمدہ پیمان شکن ما

ترجمہ: ہم سے بھی زیادہ پریشان بہت سارے محفلیں اور خوشیوں کے شمع ہمارے وجود سے بے نور ہوجائیں گے۔ اگرچہ ہم سے بھی گئے گزرے لوگ موجود ہیں مگر ہمارے وجود سے محفلیں بے نور ہوجائے گی۔

ہمارے باغ کے غنچے خوشیوں کا نقشہ نہیں رکھتے اور ہم بہت شرمندہ ہیں کہ ہوا ہمارے باغ سے چلا گیا کیونکہ وہاں خوشیوں کے آثار نہ تھے۔

اس کو میرے جلنے اور مرنے سے تسلی نہیں ہوتی۔ وہ وعدے توڑنے والا محبوب، خوشحال اور مزے سے میرے سرہانے آگیا۔

ملا فہمی

فصیحی اور ندیمی کے ہم عصر تھے۔ بلند درجہ کے فہم وفراست والے تھے۔ مشاعروں میں اور ذہنی کے ساتھ نوک جوک تھی۔ زبان شستہ اور سلیس ہے۔ بندش اور چستی کمال کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

فکر سر زلف تو مرا بے سروپا کرد — اندیشہ پابوس تو ام پشت دوتا کرد
گفتم کہ بود صل تو رسم گرد بودم عمر — نے وصل میسر شد نے عمر وفا کرد
دردا کہ ترا مہر نیا موخت معلم — درمکتب خوبی ہمہ تعلیم جفا کرد
تازہ روبرہ بادیہ عشق نہادیم — صد گونہ غم از ہر طرفے روی بما کرد
فہمی نتوان رست ز اندیشہ خوبان — اینگونہ کہ در دل غم ایں طائفہ جا کرد

ترجمہ: تمہارے سر کے زلفوں نے مجھے اتنا بے قرار کیا کہ میں بے سروپا ہو گیا اور تمہارے پابوسی کی خاطر اور آرزو میں میری کمر ٹیڑھی ہو گئی۔

میں نے کہا کہ تمہارے وصال اور قربت کے لئے میں ساری عمر رسمیں نبھاتا رہا۔ نہ ہی قربت اور وصال نصیب ہوا اور نہ ہی عمر باقی رہ گئی۔

اے درد تجھے استاد نے محبت نہیں سکھایا ہے۔ کیونکہ اچھائی کے درسگاہ میں سب تعلیم نے ستمگری کی ہے۔

میں نے شراب عشق کے راستے ابھی نیا نیا ہی قدم رکھا ہے اور سو طرح کے غموں نے ہر طرف سے میری طرف رُخ کیا ہے۔

عقل اور فہم کبھی بھی اچھے خیال والوں کو خاک میں نہیں ملاتا۔ اسی طرح سے غمگین دل کے اندر یہ طائفہ (قبیلہ) اپنی جگہ بنالیتا ہے۔

فطرتی

ملا ذہنی کے شاگرد تھے۔ عالی فطرت شاعر تھے۔ ندیمی اور فصیحی کے حریف تھے۔ جب میرزا فطرت کشمیر آئے۔ تو فطرتی کے شعر سن کر بولے۔ اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا میں فطرت تخلص نہ کرتا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

از باغ گل ہوائے دماغم فرونشست　　پائے ہوس بکنج فرغم فرونشست
پرتو فگند عشق فروغ خردنماند　　سربروز آفتاب چراغم فرونشست

ترجمہ: میں جب پھولوں کے باغ میں داخل ہوا وہاں میری ناک خوشبو سونگھ کر بیٹھی رہی اور اپنی آرزو پانے کی فکر میں وہ کونے میں بیٹھا رہا اور لطف اندوز ہوتا رہا۔

کرنیں پڑی تو عشق نے بڑھنا شروع کیا مگر عقل باقی نہ رہی۔ جب آفتاب نے اپنا طلوع شروع کیا، میرے چراغ اور شمعوں نے خاموش ہونا شروع کیا۔

روشنی

روشنی ہمدانی نہیں بلکہ کشمیری ہے۔ الفاظ کے جواہرات کے روشنگر تھے۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔

دربزم زان بہ پہلوی خود جاوہد مرا　　تارا سبت سوی اونتوانم نگاہ کرد

ترجمہ: اس کی محفل میں اس نے مجھے اپنے پہلو میں جگہ دی مگر اندھیرا ہے جس کی وجہ سے میں اس کی طرف نہیں دیکھ سکتا۔

گلشنی

شیراز کے نغمہ سنج بلبلوں میں سے تھے۔ بلندی کے گلوں اور پھولوں کی نغمہ سرائی کرنے کے شوق نے ہندوستان پرواز کرایا۔ گلزار کشمیر میں وارد ہوئے۔ چہچہائے اور اسی باغ میں ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئے۔

مشتری

خندہ بون کے سادات خاندان کے آبدار موتی تھے۔ ملا ذہنی کے شاگرد تھے۔ شعر وسخن میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔

مہری مشہدی

شہر مشہد سے آکر یہاں سکونت اختیار کی۔ شعروسخن کے آئینہ کے روشن گر اور معنی کی معشوق کے مشاط تھے۔

بدیعی

خطہ کشمیر کے شاہی درباریوں میں سے تھے۔ شاہجہاں کے عہد میں شعروشاعری کے گلشن کو شادابی بخشی۔ یہ شعران کے کلام نمونہ ہے۔

کم دہ شراب وصل کہ پرشدایاغ ما روغن چناں مریز کہ میرد چراغ ما

ترجمہ: شراب وصل کم کرو کیونکہ پیالہ پُر ہوا ہے اس میں اور گنجائش نہیں ہے۔ اتنا تیل مت ڈال کہ چراغ ہی ختم ہو جائے۔ میرے چراغ کو اتنا سہنے کی طاقت نہیں۔

فروغی

کشمیر کے زیرک طبیعت والوں میں سے گویا فصاحت وبلاغت کے خمیر سے بنے ہوئے تھے۔ فردوس آشیانی کی مداحی میں عمر بھر تر زبان رہے۔ ان کی بھڑ کنے والے طبیعت کے فروغ کو دیکھئے۔

ازآن غم وطنم نیست کز سبکساری ہمیشہ ہمچون کمال است خانہ بردوشم

آن کہ در رفتن شتاب تیز دارد عمر او چون کمان بہر چہ میسادز منقش خانہ را

ترجمہ: مجھے اپنے وطن سے دوری کا غم کوئی ہلکا غم نہیں ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ہمیشہ اس غم کی وجہ سے میرا

گھر میرے کاندھوں پر بوجھ سا لگ رہا ہے۔

اس سے دور رہ کر جیسے میری عمر تیزی اور شتاب کے ساتھ ختم ہو رہی ہے اور میں ہر جگہ اپنے خانہ (گھر) اور وطن کا نقشہ کھینچتا رہتا ہوں۔

محمد مراد زرین قلم

نامور سوداگر زادہ تھا۔ خط نستعلیق سیکھنے میں خون جگر کھایا۔ میر علی کے بیٹے میر حسین سے اصلاح لیتا تھا۔ خوش نویسی میں اس درجہ کا کمال کیا کہ اس کی شہرت دنیا میں پھیل گئی۔ آقا رشید ایرانی طرز بادامی لکھنے میں مشہور تھے۔ اس نے طرز شلغمی کو اپنایا۔ شاہجہاں کے کانوں میں جب اس کے کمال کی آواز پہنچی۔ تو اس نے اپنے مصاحبوں میں شامل کیا۔ زرین قلم کا خطاب ملا۔ سلطنت کے کتابہ نویسوں کا افسر مقرر ہوا۔ شاہی عمارات اور باغات کے کتابے تقریباً سب کے سب اسی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ شاعری سے بھی لگاؤ تھا۔ عمدہ شعر کہتے تھے۔

ملا محسن شیرین قلم

محمد مراد زرین قلم کا چھوٹا بھائی تھا۔ خوش نویسی میں اپنے بھائی کا ہم پلہ تھا۔ محمد مراد کے مرنے کے بعد عمارتوں کے کتبوں میں جو کچھ کمی باقی تھی۔ اس نے نہایت نزاکت اور دلربائی سے اس کی پوری کر کے درستی کی۔ بھائی کے طرز کا لکھا کرتا تھا۔ تصوف اور سلوک سے بھی لگاؤ تھا۔ شیخ بتہ مالو کا مرید تھا۔ شیرین قلم خطاب ملا تھا۔ شعر و شاعری سے اچھی لگن تھی۔ موزون شعر کہتا تھا۔

ملا محمد طاہر غنی

اشائی خاندان سے تھے۔ محمد محسن فانی کے شاگرد کشمیر کے ماحول کے پروردہ، بلند خیال، نازک خیال حقیقت میں فطرتی مادر زاد شاعر، پریشان، خستہ حال، قانع، متوکل، دل کا غنی، صائب جیسے شاعر کو ایک معرکے سے باندھ کر ایران سے کھینچ کر کشمیر لانے والا۔ فضاءِ شاعری کا خوش الحان، نغز سنج اور نغمہ پرواز ہزار داستان بلند

پرواز۔ ملا محمد طاہر غنی کا حال لکھنے کے لئے وقت اور دفتر کی ضرورت ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ارباب سخن کا اتفاق ہے کہ کشمیر کی تو بات ہی نہیں۔ ہندوستان اور ایران میں بھی غنی کا ہم پلہ شاعری میں خیالات کو دعویٰ و دلیل پیش کرنے والا مشکل ہی سے مل سکتا ہے۔ زبان کی صفائی روزمرہ اور محاورہ کا درست استعمال۔ الفاظ کی شیرینی، مناسبت اور بندش، سلاست اور روانی اس کے کلام کی خاص خصوصیات ہیں۔ میرزا محمد علی نے غنی کا کلام جمع کر کے جو دیوان مرتب کیا ہے۔ وہ اس کے بلند پایہ شاعر ہونے کا بذات خود شاہد ہے۔ اس کے اکثر کلام میں ابہام پایا جاتا ہے۔ ایک دن ایک تازہ لکھی ہوئی نظم "شاہ ماہر" کے سامنے پڑھی۔ جب اس بیت

بے چراغست اگر بزم خیالم غم نیست
مصرع ریختہ شمعے است کہ درعالم نیست

ترجمہ: اگرچہ میرے خیالوں کی محفل روشنی کے بغیر ہے تو کوئی غم نہیں ہے۔ نیستی کے عالم میں ریختہ کا مصرعہ ہی شمع اور روشنی کا کام دیتا ہے۔

شاہ کو اس کی ابہام بندی کی طرف خیال دوڑا۔ اور کہا شاید مصرعہ ریختہ جو انہوں نے کہا ہے۔ یہی ہوگا۔ غنی کا دیوان اب چھاپا گیا ہے۔ پھر بھی اہل مذاق کے لئے نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

فراغتے زنیستان بود یا دارم
مباد راہ درین بیشہ شیر قالین را!

کند درہر قدم فریاد خلخال
کہ حسن گلرخان پادر رکاب است

بادامن ترشدم بہ محشر
گفتند درآفتاب بنشین

حسن سبزے بخط سبز مرا کرد اسیر
دام ہمرنگ زمین بود گرفتار شدم

نے نواز وساز عیش آندم کہ طامع یافت قوت
باشد از پائے مگس مضراب تار عنکبوت

برانداریم زاشعار کس مضمون را
طبع نازک سخن کس نتواند برداشت

جان بلب از ضعف نتواند رسید
مابرد زناتوانی زندہ ایم

مے فریسد بہ پدر پیرہن خالی را
یوسف از دولت حسن این ہمہ خود را گم کرد

اثر برعکس بخشد سعی من از طالع واژون
زیر فریاد سپندم چشم بد از خواب ابر خیزد

چو خاتمے کہ برد سر بجیب موم فسرد
زدم چو بر در پستی بلند شد نامم

دل بمردن نہی غنی چوں قامتت گردد دید خم
بہر این خاتم نگینے نیست چون سنگ مزار

جلوہ حسن تو آورد مرا بر سر فکر
تو حنا بس ومن معنی رنگین بستم

رفیق اہل غفلت عاقبت از کار مے ماند
چو یک پا خفت دیگر پائے از رفتائے ماند

نگردد شعر من مشہور تا جان در بدن دارم
کہ پس از مرگ آہو نافہ بیرون مے دہد بورا

بر تواضع ہائے دشمن تکیہ کردن ابلہی است
پائے بوس سیل از پا افگند دیوار را

چوں محبت درمیان آن تکلف گو مباش
شیر مادر در حلاوت بے نیاز از شکر است

تربیت راچہ اثر چون بنود استعداد
آسیا صاف چو آئینہ نگردد زغبار

میر سید روزی ہر کس در خود ہمت زعیب
کہ بدام عنکبوت آید شکارے خبر مگس

گر از نا آشنای چرخ ساز د زیر پل عرقم
از آن بہتر کہ بینم روی یاران سیر پل را

ترجمہ: اس نیستی اور نیستان کی دنیا میں فراغت ہی میرے نصیب میں تھی اور ہے بھی۔ اس راہ میں اور قدم مت بڑھاؤ کہ یہ قالین شیر کے ہیں۔

اس راستے کی طرف ہر قدم فریاد اور سخت فریاد کریں گے اور پھول جیسے چہرہ والوں کا حسن جیسے رکاب میں پاؤں ہے۔

میں تو گیلے دامن کیساتھ وارد محشر ہوا وہاں کہا گیا کہ جاؤ آفتاب کے پاس بیٹھو تا کہ دامن خشک ہو جائے۔

اس کشمیر (خطہ سبز) کے حسن نے مجھے اسیر کیا۔ زمین کا جیسا رنگ کا جال تھا جس میں گرفتار ہوا۔

جب سے ساز عیش نواز نا بند کردیا اس دم سے طامع نے قوت اور توانائی حاصل کی اور مچھر کے پاؤں تلے عنکبوت کی جال پار پار ہوئی۔

اگر ہم کسی کے مضمون سے استفسار کو نقل کریں گے۔ مگر کسی کا نازک طبع کے سخن اور باتیں ہم نہیں اٹھا سکتے نہ نقل کر سکتے۔

میری جان کمزوری اور ضعیفی کی وجہ سے لبوں پہ آتی ہے اور کہیں نہیں پہنچ سکتی اور ہم کمزوری کے ساتھ

زندہ ہیں۔

جواپنے باپ کو خالی پیرہن بھیج دیتے۔ یوسف نے حسن اور خوبصورتی کی دولت سے خود کو گم کیا تھا۔

میری کوششوں نے الٹا اثر ڈالا جبکہ میں لفظوں کے تابع تھا۔ صبح سویرے کے فریادوں کے نیچے بری نظر رکھنے والے خواب سے بیدار ہوئے۔

چونکہ جو خود کو ختم کرتا ہے اور اپنا سر موم کی طرح جیب میں چھپاتا ہے۔ جب میں نے خود کو پستی کے دروازے سے داخل کیا تو میرا نام خود ہی بلند اور مشہور ہوا۔

غنیؔ نے اپنا دل نہیں مارا ہے چونکہ تمہاری قامت (قد) جھکی ہوئی ہے اور آخر پر کوئی فائدہ نہ ہوا اور کوئی پتھر نہیں ہے، جو قبر کی سنگ بن سکے۔

تمہارے حسن کے جلوہ نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کیا۔ کہ تو نے مہندی لگائی اور میں نے اس رنگینی کے معنی لگائی یعنی اس پر غور کیا۔

دوست اگر غفلت میں ہوگا تو آخر کار وہ کام سے رہ جائے گا۔ چونکہ ایک پاؤں اگر سو جائے گا تو دوسرا پاؤں کا رفتار بھی ختم ہو جاتا ہے۔

میرے شعر مشہور نہیں ہوں گے جب تک میرے بدن میں میری جان ہے کیونکہ ہرن کے مرنے کے بعد ہی نافہ سے بو نکل جاتی ہے۔

دشمن کے توجہ اور خاطر داری پر بھروسہ کرنا بے وقوفی ہے۔ طوفان کے آگے جاکر پاؤں چومنا ہی دیوار کو اکھاڑ پھینکتا ہے۔ طوفان کے آگے جو دیوار ہو وہی آخر پر گر جاتا ہے۔

تکلف کرنے والے کے درمیان محبت قائم مت کروں۔ ماں کا دودھ ہی مٹھاس میں شکر سے بے نیاز ہے یعنی اس میں شکر ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔

تربیت سے کوئی اثر نہیں ہوتا اگر استعداد نہ ہو۔ آئینہ پانی کی طرح صاف ہوتا ہے اگر اس پر گرد و غبار کی دھول نہ پڑے۔

ایک دن ہر ایک میں غیب سے ہمت اور توانائی ملتی ہے۔ کیونکہ مکھڑے کے جال میں مچھر کے سوا

اور کوئی نہیں پھنستا ہے۔

اگر نہ جاننے کے باوجود مشین بنائی تو پل کے نیچے غرق ہو جائیں گے۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ اپنے دوستوں کا چہرہ دیکھا جائے پل پر ہی ان کا دیدار کیا جائے۔

شیخ محسن فانی کی وفات کے آٹھ ماہ بعد ۱۰۸۰ھ میں عین جوانی میں انتقال کیا۔ تاریخ وفات یہ ہے۔

از فوتِ غنی گشتہ کہ مہ غمگین — ہر کس شدہ در ماتم اور خانہ نشین

تاریخ وفاتش چو پرسند بگو — پنہاں شدہ گنج ہنرے زیر زمین

ترجمہ: غنی کی وفات سے تمام بزرگ غمگین ہوئے۔ اور اس کے غم میں سارے گھروں کے اندر چھپ کر ماتم کرتے ہیں۔

اگر اس کا تاریخ وفات کے بارے میں پوچھیں گے تو کہنا کہ ہنر کا خزانہ زمین کے نیچے چھپ گیا۔

خواجہ ہاشم دیوانی

سرینگر کے بڑے لوگوں اور درباریوں میں سے تھے۔ قانون گوئی کے عہدے پر کام کرتے تھے۔ بلند ذہن اور خوش خیال شاعر تھے۔ نمونہ کلام سے ان کی بلند خیالی اور طبع روان کا اندازہ بخوبی ہوسکتا ہے۔

کے زبیم خنجرت خواہد ولم یکسو گرفت — ہمچو ابر دمیتوان تیغ ترا بر رو گرفت

کثرت حسن صفا سرتاسر آن رو گرفت — خال جا خالی نہ دیدہ گوشہ ابرو گرفت

یک ذرہ زاختیار در دست تو نیست — لیکن معقول فطرت پست تو نیست

تدبیر چو کعبتین تقدیر چو نقش — در دست تو ہست لیک در دست تو نیست

ترجمہ: کب تمہارے تلوار (خنجر) کے ڈر سے وہ چاہتا تھا کہ میرے دل کو ایک سو سے جائے جیسے ابرو تیرے تلوار (خنجر) کو اپنے چہرے پر لگائے۔

بہت زیادہ پاک حسن (خوبصورتی) نے اوپر سے نیچے تک اس کی طرف رُخ کیا ہے اور اس کے چہرے پر جگہ لی ہے اور اس کے چہرے پر کسی بھی کونہ میں نقطہ نہیں لگتے یعنی اس کا چہرہ اتنا صاف ہے کہ ابرو

کے بغیر کوئی کالا تل نہیں لگتا۔

ایک تھوڑا اختیار بھی تیرے ہاتھ میں نہیں ہے لیکن یہ پست فطرتی تمہیں شوبا نہیں دیتا۔

تم نے جو تدبیریں کی ہے وہ تو کھلے ہیں۔ مگر تمہاری تقدیر میں نقش ہے۔ یعنی تمہارے ہاتھ میں ہے بھی اور تمہارے ہاتھ میں نہیں بھی ہے۔

پرگنہ دیوہ کے گاؤں لکٹی پورہ میں دفن ہیں۔ اس کے بھائی خواجہ رجب کی اولاد آج تک اسی گاؤں کے ساکن ہے۔

قاضی محمد عارف

مولانا جمال الدین سیالکوٹی کے بیٹے قاضی ابو القاسم کے بیٹے تھے۔ خدادا موزون طبیعت رکھتے تھے۔ فن شاعری کے رموز و کنایات سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ شاہجہان کے دربار میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ایرانی سفیروں کے ساتھ بات چیت اور سوال وجواب میں اس طرح بولتے تھے کہ گویا خاص ایرانی تھے۔ خوش بیانی اور سخندانی میں نامی اور گرامی تھے۔ جناب شیخ محمد معصومی سرہندی کا ایک مکتوب جوان کے نام ہے۔ مکتوبات میں درج ہے۔ کشمیری شعراء میں انکا درجہ بلند ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔

خواہم ازین نشیب وپستی برہم وزننگ خودی وخود پرستی برہم
یک جرعہ ز جام نیستی نوش کنم از کشمکش خمار ہستی برہم
نہ از آن دیر تر بہ بخشد کام کہ دہد جلوہ کبریائی را
زآن توقف کند کہ دریابی ذوق دریوزہ گدائی

ترجمہ: میں چاہتا ہوں کہ میں اس بلندی اور پستی سے آزاد ہو جاؤں اور خودی اور خود پرستی کی ذلت سے آزاد ہو جاؤں۔

ایک قطرہ شراب بھی نہیں ہے جس کو میں پی سکوں، تا کہ اس دنیا کی کشمکش کی تکلیف سے میں رہائی پاتا۔

اگرچہ دیر ہی اپنے مقصد تک انسان پہنچ جاتا ہے اور کبریا بھی اپنا جلوہ دیر تر ہی دکھاتا ہے۔ بہت منت کے بعد، بہت ریاضت کے بعد جلوہ کبریائی نصیب ہوتا ہے۔

اگر آپ غور کرو گے تو جان لو گے کہ کتے کا ذوق اور عادت بھیک مانگنا ہی ہے۔

عنایت خان آشنا

ظفر خان احسن کے بیٹے تھے۔ شاعری کے بنور کے غواص اور ہنروری کے سمندر کے تیراک تھے۔ چمکدار خیالات کے آبدار موتی الفاظ کی خوبصورتی ڈبیوں میں رکھ کر سلک نظم میں پرونے کے استاد تھے۔ امراء دربار شاہی کے کھلونے تھے۔ عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ آخر پر درباداری سے دست بردار ہوگئے۔ کشمیر آکر تنہائی اور گمنامی میں دن بسر کرنے لگے۔ ۱۰۵۷ھ میں رحلت کی۔ ان کا دیوان دیکھنے کے لائق ہے۔

عبدالرسول استغنا

باغ کشمیر جنت نظیر کے خوش الحان، تازہ گو، نواسنج بلبل تھے۔ شروع میں اہل دین کی صحبت سے بھاگتے تھے۔ اور اسی مناسبت کے موجب ''استغنا'' تخلص کرتے تھے۔ پھر شاہجہاں کے تیسرے بیٹے میرزا شجاع کے پاس رسائی ہوئی۔ منصب اور خدمت پر سرفراز ہوئے۔ میرزا شجاع اور عالمگیر کہ باہمی جھگڑے کے زمانے میں توپخانہ کے داروغہ تھے۔ میرزا شجاع کی ہزیمت پر بھاگ کر اودھ گئے۔ وہاں کے امیروں میں کبھی ایک کے پاس کبھی دوسرے کے پاس دن گذاری کرتے رہے۔ وسیلہ داروں کی وساطت سے عالمگیر کی صحبت میں باریاب ہوئے۔ بقعیہ عمر اسی کی خدمت گذاری میں گذار کر ۱۰۸۲ھ میں دوسری دنیا کو سدھارے۔ ایک دفعہ کوئی ضروری بات بادشاہ کو گوش گذار کرنی تھی۔ امراء دربار میں سے کوئی عرض نہ کر سکا۔ بختاور خان نے استغنا کے مقصد کو اس انداز سے خدمت اقدس میں پیش کیا کہ استغنا مطلب میں کامیاب ہوا۔ بختاور خان کی مدح میں کہا ہے:۔

اے خان بلند قدر اکسیر سخن قربان زبان تو خوانین زمن
تا خاطر آشفتہ دلان جمع شود یکبار بگو حرف پریشانی من

ترجمہ: اے عالی درجہ کے خان تمہاری باتیں تو جادو جیسے جو دل میں اترتی ہے۔ زمانے کے تمام بولنے والے تمہاری زبان کے قربان ہو جائے۔

تا کہ پریشان حال دلوں والے جمع ہو جائے اور ان کی خاطر ایک بار ہماری پریشانی کی وجہ بتا دو۔

شعر ملاحظہ فرمائے:۔

فلک راہگر احتساب مے بندد سزائے بادہ پرستان خمار خواہد داد

ترجمہ: اگر آسمان حساب کرنے بیٹھ جائے تو تمام شراب پینے والوں کی سزا خمار دے گی۔

محمد رفیع منشی

کشمیری تھے۔ نظم و نثر میں کمال رکھتے تھے۔ معیشت کیلئے زیادہ تر انشا پر وقت صرف کرتے تھے۔ عمر بھر حکام کی حضور نویسی کرتے رہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے:۔

درسایۂ خود جائے آوارہ دہید درچارۂ کار دل بیچارہ دہید
ہرچند کہ کفارت ندارد نیکی نیکی بہ بدان کنید و کفارت بدہید

ترجمہ: اگر اپنے پاس آوارہ کو جگہ دے دوں گے تو ٹھیک ہے۔ مگر کسی بھی کام کو سدھارنے کے لئے کبھی اپنا دل کسی غریب کو نہیں دے بیٹھنا۔

اگر چہ نیکی کا کوئی کفارہ نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی نیکی ان کے ساتھ کی جائے جو اس کا کفارہ دے سکے۔

کہتے ہیں کہ تسلی تخلص رکھنے والا ایک شاعر سیف خان ناظم کشمیر کے دربار میں رسائی رکھتا تھا۔ اس نے کشمیریوں کی ہجو بحر طویل میں لکھ کر جواب کیلئے اشارہ کیا۔ دوسرے دن دربار میں منشی نے اسی بحر میں باآواز بلند سیف خان کے سامنے جواب پڑھ کر سنایا اور تسلی کو ملزم بنوا کر شہر بدر کرایا۔ آپ بھی دیکھئے۔

لعنت اللہ بر آن تسلی کم اصل وتبہ کار وگنہگار۔ کہ خود را بزبان دوسہ لک آدم موزون وسخن دان وسخن سنج ہمہ آراستہ از فصل وہنر داد کہ گر پای بجوش بفشارند بفریاد بیایند جہان را۔ کیف حیف است کہ اوقات چنیں مردم پاکیزہ ودانا ونکورائے وخداترس وحق اندیش کہ جز ذکر خدا فکر ندارند۔ شود صرف وبسازند تر از خون سگے تیغ زبان را۔ آنچہ در حق این طائفہ پاک زنادانی وبدبختی خود گفت ہمہ تہمت و بہتان وہمہ کذب و پریشان۔ کہ سزائیش رسد از ایزد متعالی درین سال بہ تعجیل نہ تاخیر کہ فرصت بنود خوب باییں بے ادب خیرہ سر احمق ونادان۔ تا جزائیش بود این ذوسہ حرفے کہ آید ز زبان من آشفتہ حیران۔ زرہ خشم وغضب زانکہ چہ لائق کہ کند تسلی قلتاق وقر مساق گدا خوی سہہ روی بد اندیش عجب ریش بدگوی ابنائے زمان، عادت سرگین خورز ودگندہ کند کام ودہان را۔ کے رسد طعن تو بر مردم کشمیر کے دارم خبر از حال تو ووضع تو اے بے خبر از خویش کہ عہد جوانی بمیاں بغل مردم بیگانہ کشتی وصد بار بگوش تو زعشاق رسید است کہ از کشمکش کم نتوان بود کہ دنبالہ کے در عقب اوست۔ تا مدامیکہ پدیدار شد از طلعت لخت اثر ریش کہ پشمے بنود بیش۔ بایں طرز ز بدکاری وبد فعل۔ گروہے در عقب بود وتو در ریش۔ تخجل شوز بے عصمتی خویش، سبک باختہ عمر گرانرا۔ بعد از آن ریش تو گردید مگس ران تو در انداز دنبال تو فوج مگس چند کہ عشاق تو باشند کہ بروز سیہ ہے خوش نشستی کہ آلہی ہمہ روز تو چینس بادنہ بینی ز جہان ہیچ نکوئی۔ رونقت کم شد وعشاق تو بیزار نشستند وگذشتند ز عشق تو وکس یک قدح بوزہ براہت نفرستادونہ کردہ است یک ساغر بقوم کسے یاد وگر بنگ کہ میدار کجا بود بحالت نظر بادہ شانرا۔ از پریشانی وبے نانی وعریانی وحیرانی دبے عزتی وخواری وخفت کہ نصیب تو شد اندر وطن اوفتادہوائے سفرت در سرو از اجہ بدنسلی کہ صد پاچہ خر باد نصیبش۔ شدہ رخصت وچیزیکہ ز املاک پدر یافتہ بودی یکے ملکدۂ پر زنگ ودو پا موزہ بدرنگ بسے کہنہ دبس تنگ ودو پیتادہ چرکین ویکے لاشہ خرپیرو زبون آنہم از تاخت ندانم کہ بدست کہ اوفتادہ است وکہ دادہ است تصدیق پدر قحبہ زنت را۔ وبرائے تو مہیا شد آن مرکب واز قریہ ویرانہ خود آمدہ بادوسہ لک نکبت وبدحالی وافلاس وگدائی بسوئے ہند کہ آخور بہ ازیں نیست خران را۔ کے گمان بود کہ از گردش گیتی توشی ساکن کشمیر کہ در آب وہوا اشک جنان است وبیابی زگدائی دوسہ تہ جامہ رنگین وتنعم کنی از سفرہ ارباب سخاوہیچ بخاطر نرسانی کہ کجا رفت وقروت وقمراچہ بدپاچہ خر وموزۂ صد سالہ وپیتادۂ صد پارہ وآن کلاہ بے قبضہ کہ میراث پدر یافتہ بودی وبگوز یر بر پشش

کہ کنون نیست چنین نخوت ولاف تو داظہار سخندانی وبے جاشاعری کے بتوادرند مسلم بدنیا۔اے کہ بود نیز ہمہ مردم ایں جاز نفسہائے تو پاکیزہ تر وبہتر از شعر وسخنہائے تو موروزں تر وسنجیدہ ترا ے احمق نادان۔فہمیدہ حیوان زخود بے خبر وخیرہ سر دابلہ وقلتبان گراز راست نہ رنجی زخری کمتر واز سگ بتر وگندہ تر از جامہ ناپاک کہ خود این ہجو تراکافی وعبرت دگران را۔

تسلی کی ہجو اس وقت کے لوگوں کی بود باش ،طرز معاشرت ،درباداری رسومات ،عادات وغیرہ کی آئینہ دار ہوتی ۔لیکن دستیاب نہیں ۔ ملے تو ضرور دی جائے گی ۔منشی نے ایک دوست کا گھر نظر آتش ہونے پر اس کو لکھا۔اسی سے کلام کا اندازہ لگایئے۔

از سوز خاطر تو وجودم بہ پیچ وتاب	انجا فتاد آتش این جا شدم کباب
وقتیکہ شعلہ از درو بام تو سرکشید	کس آگہی نداد بایں دیدہ پرآب
سرچشمہ زیر ہر مژہ من ذخیرہ بود	از یک نگاہ خانہ آتش شدے خراب
تا این خبر رسید بگوشم زسوز دل	یکدم نگشت دیدۂ من آشنا بخواب
اماز سرنوشت کسے را گریز نیست	ایں حرف انتخاب نمودم زصد کتاب
ہردم کہ عیش تلخ نماید سپہر دوں	بربام کار شعلہ کند بوز آفتاب
باد ملال راندہی رہ بصحن دل	آخر کند تلافی آتش ابوتراب

ترجمہ:تمہارے جلنے کا خیال میرے وجود کو پریشان کرتا ہے۔وہاں تمہیں آگ لگ گئی اور ادھر میں کباب ہو گیا۔

جب تمہارے گھر کے دروازوں اور چھت کو آگ ۔ کے شعلوں نے گھیر لیا۔کسی نے مجھے نہ بتایا کہ میں اپنے آنکھوں کے آنسوؤں سے اس کو بجھا لیتا۔

میرے پلکوں کے نیچے میری آنکھوں کے نیچے پانی کا ذخیرہ تھا۔میری ایک نگاہ سے گھر کا آگ بجھ جاتا۔

جب یہ خبر میرے کانوں میں پہنچی تو میرا دل جیسے جل گیا اور تب سے ایک لمحہ بھی ایسا نہ گزرا کہ میں

سو جاتا یعنی میری آنکھیں نیند سے آشنا ہوتی۔

اگرچہ کسی کے قسمت سے بھاگا نہیں جائے گا۔ میں نے ان باتوں کا ذکر سو کتابوں میں کیا ہوگا تاکہ یاد رہے۔

ہر وقت خوشی غم کے دنوں کو چھپا دیتی ہے۔ جیسے آفتاب کی تمازت چیزوں کا رنگ اور بو تبدیل کر دیتی ہے۔

ناراضگی کی ہوا تمہارے دل کے آنگن میں راستہ نہیں دیتی۔ آخر پر اس کی تلافی حضرت ابوتراب کا آگ ہی کرے گا۔

محمد زمان نافع

محمد طاہر غنی کے بھائی اور محسن فانی کے شاگرد تھے۔ اپنے بھائی سے الفاظ کے معنی کی نزاکتوں کو سمجھنے کی مشق بہم پہنچائی۔ دیوانوں اور غزلیات کی کتابوں کے پڑھانے کا شغل رکھتے تھے۔ شاعری اور سخنوری کے فن میں بھی ممتاز تھے۔ دیکھئے ان کے کلام میں سے بھی غنی کی جھلک نظر آتی ہے۔

بگیر لذت دنیائے شور وشرزدہ را
مزاج زہر بود نعمت نظر زدہ را

شنیدم از لب فوارہ ایں صدائے بلند
کہ گریہ ہاست ثمر خندہ ہای برزدہ را

قدم شمردہ گذارا ے خیال بیہدہ گردد
بخانۂ دل ماراہ نیست سرزدہ را

....

میخرامی بہر قتلم مرحبائے زیبدت
جان فدائے زیبدت سرمزد پائے زیبدت

پیکرت راتار بود جامۂ مطر کشید
از شمیم گل قبائے تہ نمائے زیبدت

مے کشی وبازے پرسی شہید کیستی
این غلط اندازی وبازی بماں زیبدت

پیر گشتی نافع اکنون ہاسان شب تاسحر
خرمن ماہ در آغوش دوتائے زیبدت

ترجمہ: لے لو اس تلخ اور بے دعوت دنیا کا مزا جہاں تک لے سکو۔ یہ تو صحت کے لئے زہر تھی اگرچہ

یہ نعمت ہے مگر یہ نعمت نظر زدہ ہے اس سے صحت کو نقصان نہ کہ فائدہ ہوگا۔

میں نے فوارہ کے منہ سے یہ آوازیں سنی کہ یہ رونا ہے نتیجہ ہم بے فائدہ چلنے والوں کے مسکرانے کی۔یعنی ہماری مسکراہٹ یہی آنسو ہے۔

اے بیہودہ خیالوں تم فائدہ مند قدم رکھو میرے دل کے گھر میں سروزدوں (جوآئے اور جائے) کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے میرے دل کی دنیا میں آکر اقامت کرلو۔

....

شاباش کہ تم میرے قتل کے لئے خوبصورتی سے چل رہے ہو یہ تم کو زیب دیتا ہے۔میری جان تمہاری اس خوبصورتی پر فدا ہو اور میرا سر تمہارے خوبصورت قدموں پر نثار ہو۔

تمہارا جسم تار کی مانند لاغر تھا اور تمہارا لباس بھی سیدھا جو پہنا ہے اور شمیم کے پھول کی قبا (لباس) تم پر زیبا دیتا ہے۔

تم شراب پیتے ہو اور پھر پوچھتے ہو کہ شہید کون ہے۔یہ غلط اندازی اور یہ کھیل تماشا تمہیں زیب نہیں دیتا۔

اے نافع اب تو تم بوڑھے ہوگئے ہو۔اب بھی شام سے لے کر صبح تک عبادت میں مشغول ہوتے ہو اور نور نے تیرے اردگرد گھیرا کیا ہوتا ہے اور چاند اور تاروں کا یہ گروہ تمہارے آغوش میں زیب دیتا ہے۔

میرزا داراب جویا

ملا سامری کے بیٹے سخندان اور معنی رس شاعر تھے۔فن شاعری میں میرزا صائب کے پیرو تھے۔محمد سعید اشرف اور ملا علی رضا تجلی کے ساتھ جو ابراہیم خان کے ہمراہ کشمیر آئے تھے۔دوستی اور اٹھنا بیٹھنا تھا۔شیرین زبان، فصیح بیان، صاحب دیوان ہیں۔نمونہ کلام یہ ہے۔

عین دریائے وصال است بہرچشم زدن — چرں کہ جناب آن کہ ہوائے تو بود درسراو
مے توان یافتن از نالہ قمری کہ مدام — آتشے ہست نہاں درتہ خاکستراو
دل جو یا نخورو زین غزل آرائی آب — منقبت سنج بود مدحگراد

شاہ مرادانِ جہاں آن کہ زبان قلم زین دو مطلع شدہ پیوستہ ثناگسترِاو
بدوعالم ندہم ذرہ خاک دراو عالم وہر چہ درو ہست بگرد سراو
ہرکہ شدتاج سرش خاک درقنبراو برفلک نازکشد بلکہ بہ بالاتر او
بعدقنبرز غلاماں علی نتوان است کس نیارد گرے بود چوادہم سراد

ترجمہ: دریائے وصال کی طرح اور گھوڑے کے پلک جھپکتے ہی اُس کا پانی کا بلبلہ تمہاری آرزو میں اس کے سر پر سوار تھا (پانی کے بلبلہ کو اپنے دیدار کی آرزو ہوتی ہے)۔

ہمیشہ قمری (جانور) کے فریاد اور چہچہانے سے یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ اس کے خاکستر کے نیچے بہت زیادہ آگ چھپی ہوتی ہے۔

اس غزل آرائی سے جویا کا دل پانی پانی نہیں ہوا ہے اس کے سخن بہت سنجیدہ منقبت چھپی ہوئی ہے۔
شاہ مردان کی تعریف یہ زبان کیا کرے اگر زبان قلم بن جائے اور ان دو مطلعوں میں لگا تار اس کی مدح وثناء کرتا رہا ہوں۔

میں دو عالموں میں کسی کو اس کے دروازے کی خاک دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ عالم اور جو کچھ اس میں ہے وہ اس کے سر کے گرد ہو جاتے۔

جو کوئی اس کے سر کا تاج ہو وہ اس کے قنبر کے دروازے کی خاک بنے وہ آسمانوں پر ناز کرے گا بلکہ اس سے بھی اوپر اس کی جگہ بنائی جائے گی۔

علیؓ کا غلام قنبر جیسا دوسرا غلام پیدا نہیں ہوسکتا اور کوئی اگر جگہ پاسکتا ہے تو وہ اس کا بھی غلام ہوگا۔

۱۱۱۸ھ میں رحلت کی۔ اہل سنت وجماعت کے اکابروں میں سے ایک کی شان میں گستاخی اور شوخی کرکے جویا نے کہا تھا۔

برسرش گل باد گرز آہنین
برتنش نارجہنم نور باد

ترجمہ: اسکے سر پر پھولوں کی بارش ہو اگر چہ وہ پھول لوہے کی ہو اور اسکے تن پر نار جہنم کے نور کی بارش ہو۔

سنی شاعروں میں سے ایک نے جواب تاریخ وفات میں یہ شوخی کی:۔

رافضی تاریخ جو یا بیست و ہفتش بود

چونکہ گز کردند اوراگشت تاریخش درست

ترجمہ: جویارافضی کی تاریخ وفات بیس سے سات کم ہے یعنی ۱۳ رتاریخ ہے جب ناپا گیا تو اس کی تاریخ وفات درست نکلی۔

عوض معاوضہ کا گلہ نہیں۔

کامران بیگ گویا

میرزاداراب جویا کے بھائی تھے۔ شعر وسخن میں بھائی کے ہم پلہ تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک ایرانی شاعر کشمیر آیا تھا۔ کامران بیگ نے گستاخانہ اور بے ادبانہ طریقہ میں اس کے ساتھ بحث کی۔ شاعر نے برداشت نہ کرتے ہوئے کہا۔ اس ''سامری'' پر لعنت ہو جس نے تم جیسے بچھڑے کو ''گویا'' کیا ہے (سامری اور گوسالہ، گوسالہ کا آواز کرنا)۔ موسیٰ کا سامری کو لعنت کرنا) سامری گویا کے باپ کا نام تھا اسی طرح شاعروں میں ایک اوران کی صحبت میں آیا۔ اس نے ان دونوں بھائیوں سے تخلص کے بارے میں پوچھا۔ داراب نے کہا جویا۔ کامران نے کہا گویا۔ شاعر نے کہا طالب کلیم کے تخلص کو دونوں بھائیوں نے اچھائی سے تقسیم کیا ہے۔ جائیے ''سامری زاد جو ہوئے''

لالہ ملک شہید

کشمیری کے جادو بیان شاعر تھے۔ کلام میں سحر کا اثر ہے۔ تاریخ گوئی میں کمال کا ملکہ رکھتے تھے۔ حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی گیارہ سو تاریخیں لکھی ہیں۔ ہر شعر میں تاریخ ولادت، عمر شریف اور تاریخ وفات ہے۔ اور یہ گیارہ سو شعر عجوبہ روزگار میں شمار ہونے کے قابل ہیں۔ چونکہ تاریخ گوئی کے فن میں غرق تھے۔ اور خاص وعام کے لئے تہنیہ (مبارکبادی) اور تعزیہ (ماتم) کی تاریخیں لکھتے

تھے۔اس لئے ذلیل اور بے عزت ہو گئے تھے۔فتنہ ابراہیم خان کی وہ مجلسیں کمال قدرت بیان سے نظم کی ہیں۔رواں طبع اور خوش مزاج شاعر تھے۔نمونۂ کلام یہ ہے۔

لام قدمن باالف قد تولاشد یعنی کہ وجودم بوصال توفناشد

درآتشم نشستہ خموش از فراق دوست چون غنچہ ہای لالہ مراسرمہ درگلوست

ترجمہ: میرا لام جیسا قد تمہارے الف قدم سے لاہو گیا یعنی میرا وجود تیرے وصال کے ساتھ ہی فنا ہو گیا۔میرا وجود تمہارے ساتھ ہی ختم ہوا۔

میں اپنے دوست کی جدائی میں جیسے آگ میں بھی خاموش بیٹھا تھا اور لالہ پھول کے غنچہ میرے گلے میں سرمہ کا کام کرتے تھے۔

خواجہ ضیاء الدین دیوانی

خواجہ ہاشم کے بیٹے تھے۔اخلاق،اطوار اور کردار میں باپ پر فوقیت رکھتے تھے۔کبھی کبھی شعر و سخن کی طرف بھی میل کرتے تھے۔نمونہ کلام یہ ہے۔

مردم بہ جنون زیکدگر درپیش اند

خود را بہتر زغیر خود اندیشند

ترجمہ: لوگ ایک دوسرے کے جنون میں آگے آگے ہیں۔خود کو دوسروں سے بہتر سمجھتے ہیں۔

حاجی اسلم

اراکین پنڈتوں میں سے ابدال بٹ کے بیٹے تھے۔سالم تخلص کرتے تھے۔ملا محسن فانی کے پیارے شاگرد تھے۔اپنے دو بھائیوں کے سمیت اسلام قبول کیا۔اٹھتی جوانی میں ہندوستان جا کر شاہزادہ اعظم کے پاس ملازم ہوئے۔جنگ سلطانی اور معظم شاہ کے غلبہ کے بعد کشمیر واپس آکر آرام کے دن گذارنے لگے۔اونچے درجے کے شاعر تھے۔خداداد موزون طبیعت رکھتے تھے۔موتی پروتے تھے۔فیل

جنگ شاہزادہ کونہایت کوشش سے لکھا ہے۔ جو مآمژ عالمگیریں میں درج ہے۔ اس نعتیہ غزل سے ان کی علمیت اور ان کی شاعری دونوں کا اندازہ آسانی سے لگایا جاتا ہے۔

براوج بردہ شرع تو دین قویم را ... پیوند کردہ نعل خط مستقیم را
چون تاب مہ کہ مظہر انوار مہر شد ... نطق تو تازہ کردہ کلام قدیم را
درشش جہت یتیم صبح ہدایتت ... روشن نمودہ معنی خلق عظیم را
ابر شفاعتت کہ ہمہ بحر رحمت است ... تفسیر کردہ آیہ عفو کریم را
لطف توبرہمہ افراد کائنات ... قسمت نمودہ سایہ فیض عمیم را
شاید بدل شود بہوائے مدینہ ات ... از خلاہر سحر ملک آرد نسیم را
از بسکہ درازل شرف بیعت تویافت ... بوسیدہ دست نورالہی کلیم را
از امر نہی شرع متینت دوکفراست ... میزان عدل محشرامیدوبیم را
لطفت نجات سالم عاصی است روز محشر ... باشد شفاعت توشفا این شقیم را

ترجمہ: تمہاری شرح کواونچائی پر دین قدیم لے گیا اور سیدھے راستہ کے نعل سے (گھوڑے کے بوتے) پیوند کیا گیا۔

جب چاند نے اپنا نور ظاہر کیا تو تمام روشن ہوگیا۔ تمہارے سخن (بات) کوتمہارے قدیم کلام نے تازہ کردیا۔

چھ طریقوں سے صبح کا یتیم (نور) تیرے لئے ہدابت یافتہ ہے۔ اس نے آپ پر خلق عظیم کا معنی واضح کردیا۔

اے رسولؐ! تمہاری شفاعت سبھوں کے لئے رحمت کا سمندر ہے اور جس کی تفسیر اللہ کی آسیہ عفو نے کردیا۔

اور تمہاری بخشش اور کرم تمام کائنات کے لوگوں کے لئے ہیں۔ وہ توان لوگوں کے قسمت میں تھی جو فیض کے سایہ میں تھے۔

میرے دل نے مدینہ کی خواہش کی ہے اور شاید میرے وطن کی ہر ایک صبح آسمان سے وہاں کی ہوا کو کھینچ لائے گا۔

جب کلیم نے ازل سے تمہاری بیعت کا شرف حاصل کیا تو نور خدا نے کلیم کے ہاتھوں کو چوم لیا۔

اجازت اور نفرین یعنی نیکی کی ہدایت اور برائی سے روکنا متانت اور شرافت اور صبر کی تفصیل اور دو کفر ہے۔اس سے عدالت، میزان اور قیامت کی امید اور بیم (ڈر) قائم رہتا ہے۔

تمہارا لطف اور کرم اس سالم گنہگار کے لئے قیامت کے دن نجات کا باعث ہوگا۔تمہاری شفاعت اس ناخوش سالم کے لئے سفا پانے کا سامان ہوگا۔

باباحاجی مغنی

حاجی حیدر کے بیٹے تھے۔کمال کا لطف طبع اور حسن ادا رکھتے تھے۔واقعہ کربلا کی مثنوی سے نمونہ کلام ہے۔

دل آتش زجوش گریہ دریاست　　زگوہر آب را دردل گوہرہاست

از سنگ است آتش دردل اوست　　اگر کوہ است دارونالہ ہادوست

بہارستان داغ و سیل خون شد　　زجوش گریہ طغیان جنون شد

دراشکے کہ ریزد در عزایش　　جہان مغفرت باشد جزایش

فغان مانند دل در خون طپیدہ　　بجائے نالہ جان برلب رسیدہ

ترجمہ: میرے جلے ہوئے دل میں رونے کا جوش دریا کی مانند ہے اور پانی کے خزانے سے میرا دل کے خزانے کو تراوت ملتی ہے۔

اگر پہاڑ اور کوہ کی مانند جگر رکھنے والے لوگوں کے دلوں میں بھی اپنے دوست کے لئے نالہ وفریاد ہوں گے۔

پھولوں کا باغ درد اور طوفان سے خونین ہوگیا جو رونے کے جوش اور سیلاب سے بھر کر اوپر چلا گیا یا

جنون میں تبدیل ہو گیا۔

جو آنسو اللہ کی یاد میں بہائے جائے گے اور اللہ ان کو بھول نہیں جاتا بلکہ دنیا کو مغفرت ملتی ہے جزا کے طور پر۔

میرے نالہ وفریاد میرے دل میں خون بن کے تپنے لگے اور نالہ وفریاد کی جگہ جان میرے لبوں پہ آئی ہے۔

حاجی حیدر زڈیبلی

سخن وری اور انشا پردازی کے فن کے استاد تھے۔ برجستہ شعر کہتے تھے۔

ملا فایق

خوش طبع اور بلند خیال شاعر تھے۔ اپنے وقت کے شاعروں میں مشہور تھے۔

ملا بینش

فصاحت و بلاغت والے دانشمند شاعر تھے۔ دل پذیر سخن سنج تھے۔

ملا ثابت۔ قلندر بیگ۔ آدری

تینوں حضرات خوش خیال، سخن سنج، زیرک طبع، فن شعر و سخن سے واقفیت رکھنے والے شاعر تھے۔

میر نور الدین شارق

سید خاندان سے تھے۔ قوام الدین خان کے ساتھ قریبی رشتہ ہونے کے موجب ایران سے ہندوستان آئے۔ اور مدت تک وہیں تھے۔ جب ان کا بھائی میر رضی الدین کشمیر کی دیوانی کے عہدہ پر متعین

ہوا تو یہ بھی اس کے ساتھ کشمیر آئے۔ اور کچھ مدت کے بعد پھر ہندوستان گئے۔ فرخ سیر کے زمانے میں کشمیر کے دفتر دیوانی کے داروغہ مقرر ہو کر دوسری دفعہ یہاں آئے۔ اب تو عمر رسیدہ ہو گئے تھے۔ نہایت اچھے اخلاق والے تھے۔ میرزا صائب محمد سعید اشرف اور دوسرے شاعروں کے ساتھ دوستی تھی۔ ۱۱۲۷ھ میں یہاں ہی اسی برس کی عمر میں رحلت کی۔ ان کا دیوان مشہور اور معروف ہے۔ نمونہ کلام ہے۔

سخن جان پشت مارا چون کمانم کردہ است ۔ چرخ منت کش زمشت استخوانم کردہ است

زفیض بیکسی چون مصرع برجستہ مختارم ۔ ہلال آسا بیک بال اسمان سیر است پروازم

رستم درملک معنی طبع نظم شاہد است ۔ دشمنان راعاجز از تیر بیانم کردہ است

ازحکایت چرخ سنگین دل نہ بینم ہیچکس ۔ آنچہ بازار مہر باین جہا بجانم کردہ است

ترجمہ: میرے متعلق جو باتیں تھی میرے پیچھے بول) کر مجھے جھکا دیا ہے اور اس تعریف اور طرفداری نے پہلے ہی میرے ہڈیوں کو چور کر دیا ہے۔

بے سہارے کے فیض سے میں کوئی بھی شعر اگر برجستہ کہو تو میں آزاد ہوں۔ کسی کا ڈر نہیں ہے۔ میں اکنے والا ہلال ہوں اس لئے ایک ہی پر سے میں آسمان کا سیر کر سکتا ہوں۔

میں رستم ہوں اور اپنا ملک میرے طبع نظم کے شاہد موجود ہے۔ میں نے اپنے دشمنوں کو بھی اپنی تیر بیانی سے عاجز کر دیا ہے۔

میں زمانے کے ڈر اور اپنے بھاری دل کی وجہ سے کسی کو نہیں دیکھتا ہوں جو کچھ محبت کے بازار میں ہے میں یہاں لایا ہوں۔

خواجہ نور اللہ دیوانی

سرینگر شہر کے بڑے لوگوں میں سے تھے۔ تعلیم میں کمال حاصل کرنے کے موجب مولویت کے درجے کو پہنچے۔ طالب علموں کو پڑھاتے تھے۔ برجستہ شاعر تھے۔

میر کمال الدین

کشمیر کے شریف زادوں میں سے تھے۔ جوانی کے جوبن میں شاعری کی طرف طبیعت لگ گئی۔ وقت کے شاعروں سے اصلاح لیتے تھے۔ شاعری، نثر نویسی، خط نستعلیق اور خط شکستہ لکھنے میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ ایک مدت تک میرزا اکبر کے پاس ملازم رہے۔ شاہزادہ کی بغاوت اور ایران کی طرف اس کی ہزیمت کے بعد کشمیر واپس آئے۔ بہت سے لوگوں کی انشاپردازی اور خوش نویسی سے بہرہ مند بناتے تھے۔ حاکم صوبہ فاضل خان کی شفارش سے شاہی ملازمت اور تھوڑی سی جاگیر پاکر قناعت سے دن گذارنی کرتے رہے۔ "انشاء میر" رنگینی عبارت کے لئے مشہور ہے۔ ایک دفعہ میاں حضوراللہ نے ان کو شہد کا ایک تھال بھیجا تھا ڈھکنا اٹھانے پر تھال میں سے ایک زندہ سانپ نکلا۔ اس واقعہ پر جو خط میاں حضوراللہ کو لکھا ہے۔ دیکھنے کے لائق ہے۔ ادب اور انشاء پردازی کا نمونہ ہے۔ یہاں اس میں سے ایک دو جملے نمونہ کے لئے دے جاتے ہیں۔

پاریکہ مخالفت قول وعملش بگریز زلابہ سراسر دغلش

چون طفل بشر نیشش کہ از شربت خانہ آن عطوفت انتما حصہ تلخ کامان

حنظلستان اختلاط ابنائے زمان شدہ بود رسید۔ ذائقہ نومیدی راشیرین ساخت وسنگ درز بنور خانہ این روستا پردہ بیباک انداخت۔ بحکم "کل انا یترشح بما فیہ" حقیت ومحبت مستور بمنصہ ظہور جلوہ نمود باخود گفتیم کہ جو فروش گندم نمامے شنیدیم وزہر فروش شہد نما ہم دیدیم۔

خواجہ علی اکبر

خاف کے بڑے لوگوں میں سے تھے۔ خاف ہرات کے متصل ایک شہر ہے۔ شاہ عباس صفوی کے آخر عہد میں ہندوستان آکر شاہی ملازموں میں بھرتی ہوگئے۔ اور کچھ خدمات کے سلسلے میں کشمیر آکر یہاں ہی سکونت پذیر ہوگئے۔ پرلے درجے کے صالح، خوش طبع، شاعر، تاریخ گو اور خوش نویس تھے۔ نظم ونثر میں

کامل مہارت رکھتے تھے۔ رنگین رقعے اور دل نشین چھٹیاں لکھتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

یاد آن روز کہ دل درخم گیسوی تو بود — توشیای بصرم خاک درکوی تو بود
محوگردیدن و بے خودہ شدافتادن من — اثرے ازنگہ چشم سخنگوی تو بود
بے سبب رنجہ شدن درنظر انداخت نم — این چہ لائق رتوطبع جفا خوی تو بود
دل ربود ازمن وانداخت دگراز نظرم — چشم این چشم کہ ازنرگس جادوی تو بود

ترجمہ: وہ دن یاد آتے ہیں کہ جب میرا دل تیرے گیسو (بال) کے نیچے دبا ہوا تھا اور تمہارے کوچے سے وہی میرے سفر کا سامان تھا۔

میرے گرنے کا نتیجہ ہے میرا کھو جانا اور بے حواس ہو جانا۔ یہ سب تمہاری نگاہ (نظر کرنا) اور تمہاری باتوں کا نتیجہ تھا۔

بلا وجہ میری تم پر نظر ڈالنے سے تم رنجیدہ ہوتے ہو۔ یہ تو تمہاری طبع اور جفاکشی اور تمہارے طریقے کو زیب نہیں دیتا۔

تم نے میرا دل مجھ سے چھین لیا اور اس کو میری نظروں سے اوجھل ہو کر پھینک دیا۔ یہ تو صرف تمہاری نرگس کی مانند جادو والی آنکھوں کا ہی کمال ہے۔

۱۱۳۰ھ میں رحلت کی۔

محمد رضائے مشتاق

ناجی قبیلہ میں سے تھے۔ جونوشہرہ کے مہلات میں رہتے تھے۔ کتابت اور خطاطی کا شغل رکھتے تھے۔ جوانی کا زمانہ کتابت میں گذارا۔ اسی میں فکر کے گھوڑے کو شعر وسخن کے میدان میں بھی دوڑاتے تھے۔ بھڑکنے والی طبیعت اور خداداد استعداد سے اس میدان کے شہسواروں میں شامل ہو گئے۔ مثنوی معنوی کی کتابت سے روٹی کماتے تھے۔ امیروں اور حاکموں کی قصیدہ گوئی سے نفرت تھی۔ آزاد اور قلندر وضع کے سخنگو تھے۔ ۱۱۵۱ھ میں رحلت کی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

نے میوہ درونہ سایم داریم — دہقان بچہ کار کشت مارا
پامال جفاشدیم واین بود — درعشق توسرنوشت مارا
ہست ازخم بادہ پشت برکوہ — مشتاق بسان خشت مارا

....

کردیم سیر گلش تاماویار ہردو — کشتند بلبل وگل بے اعتبار بردو
چشم سیاہ مستش لعل قدہ برستش — ازعاشقان ربودند صبر وقرار ہردو
زلفین تابدارش برگلش عذارش — خوش حلقہ حلقہ کردہ مانند ماہردو
آیا بود کہ روزے این آرزو برآید — خسپند مست باہم مشتاق ویار ہردو

ترجمہ: ہمارے پاس نہ میوہ ہے اور نہ سایہ ہے۔ ایسے درخت کا کیا فائدہ جو نہ سایہ دے نہ میوہ۔ کسان کے بچے نے میرا کام تمام کردیا۔

تمہاری محبت میں ہم جفا کر کے پامال ہوئے۔ یعنی ہم کہیں کے نہ رہے اور تمہاری محبت میں میرا یہی انجام تھا۔

پہاڑ کے پیچھے شراب کا خم (تالاب) ہونا۔ پیاسے اور امیدوار لوگ پتھروں کو چیر کے اس کا پتہ نکالتے ہیں۔

....

میرے یار اور میں نے باغ کی سیر کی یعنی ہم دونوں سیر کو نکل گئے۔ وہاں بلبل اور پھول دونوں کو مار ڈالا گیا اور دونوں کو بے دردی کے ساتھ مارا گیا تھا۔

اس کے سیاہ چشم (کالی آنکھیں) جو لعل کے پیالے کی مانند ہے اور جس کو پوجنے کو دل کرتا ہے اور جنہوں نے عاشقوں کا صبر وقرار چھین لیا ہے یعنی عاشقان ان آنکھوں پر فریفتہ ہوئے ہیں۔

پھولوں کے باغ میں میرے معشوق نے اپنے تابدار زلفیں ایسے پھیلائے ہیں کہ سانپ کی مانند پیچ وخم کھا کے پھیلے ہیں۔

کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک دن میری یہ آرزو پوری ہو کہ مست اور چاہنے والا دونوں دوست اکٹھے

سے ہوئے ہو۔

تاریخ ہے: شاہ مشتاق از سر دنیا گذشت۔

عبدالحکیم ساطع

ملا غالب کے بیٹے تھے۔ جب شعر گوئی کا خیال روز پکڑتا گیا تو پہلے لالہ ملک شہید سے پھر میرزا داراب جویا سے اصلاح لیتے رہے۔ اور موزون طبع کے طفیل ہمعصروں میں فوقیت پا گئے۔ پشاور گئے اور وقت کے بلند پایہ شاعر محمد سعید اشرف سے دوستی ہوگئی۔ وہاں سے شاہ عالم بہادر کے دربار میں اونچے مرتبہ پر پہنچے اور فائز ہو کر ترقی کرتے گئے۔

فرغ سیر کی شہادت پر کشمیر واپس آئے۔ اور زندگانی شعر خوانی اور کامرانی میں بسر کی ۱۱۴۳ھ میں وفات پائی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

شراب عشق تاز داولین جوش　　　مراشد نشاتین ازدل فراموش

ترجمہ: عشق و محبت کے شراب نے جب اپنی پہلی گرمی دکھانا شروع کی۔ مجھے اس محبت کے بیج بونے میرے دل نے بھلا دیا۔

خیال بندی ملاحظہ کیجئے:۔

مفتم زجان عشق مستی دادند　　　کیں نیستیم بقید ہستی دادند

سرمایہ ہر آنچہ بود دادم از دست　　　ارزان نہ متاع تنگدستی دادند

ترجمہ: میں نے مفت میں اپنی جان مست عشق کے حوالے کردی اور یہ نہ سمجھ لینا کہ میں ایسا ہوں کہ میں نے زندگی اور اپنی جان دنیا کے قید خانے میں بند کی بلکہ اپنی جان عشق پر قربان کردی۔

میرے پاس جو کچھ سرمایہ (مال و دولت) تھی وہ میں نے کھودی سوائے تنگدستی کا سودا میں نے سستا نہیں بیچا۔ میری تنگدستی ہی میرا سرمایہ ہے۔

نازک خیال دیکھئے

بچندین رنگ کشتم از گنہ چون خانہ مانی
شرم موئے جزاین صورت نمے بند دپشیمانی
نفس ! زندانی خود رامکن دیگر نگہبانی
کہ رفت ایں ناتوان چون گل بتاراج پرافشانی
زمن آموزآداب محبت شہری عشقم
اگرفرہاد کہساری وگرمجنون بیابانی

ترجمہ: میں نے مختلف طریقوں سے اپنے خاندان اور اس کے افراد کو گناہوں سے بچایا۔ صرف اپنے بالوں کی شرم اس تصویر ماتھے کو نہ چھپا سکے۔

اپنے قیدی نفس کی اب اور حفاظت کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ کمزور تو چلا گیا۔ اس لئے چلا گیا کہ پھولوں کو لوٹ لینے اور پھینکنے کا وقت گیا۔

تم مجھ سے محبت کے آداب سیکھ لو کیونکہ میں عشق کا شہر ہوں اور اگر چہ تم پہاڑوں پر گھومنے والے فرہاد اور بیابانوں کا مجنون بھی ہوگا۔

بلند خیالی کا اندازہ کیجئے۔

تراغرور بصورت . مرا بمعنی خویش
کمال حسن ترا وست مرا احسن کمال

ترجمہ: تمہیں اپنے حسن پر ناز اور غرور ہے اور مجھے اپنے ترجمانی پر ناز ہے۔ یہ تو تمہارے حسن کا کمال ہے اور مجھے آپ کے حسن کمال کی ترجمانی کا کمال حاصل ہے۔

نثر نویسی میں بھی کمال رکھتے تھے۔

میرزا عبدالغنی بیگ قبول

بہلوج قوم سے تھے۔ ''قبول'' تخلص کرتے تھے۔ موزون طبیعت کے مالک تھے۔ ابہام کو پسند

کرتے تھے۔ عالمگیر کے عہد میں ہندوستان گئے۔ اور حضور میں رسائی پا کر ہدایت اللہ خان کی مصاحبت پا کر نائب وزارت کا عہدہ پائے۔ ہدایت اللہ خان کی وفات کے بعد شاہجہان آباد میں سکونت اختیار کی۔ شعر وسخن کی مجلس طرازی اور دقیقہ پردازی کے فن کو کمال پر پہنچا دیا۔ ارباب سخن کے مرجع بنے۔ نموعہ کلام یہ ہے۔

گرہ ز کار کس وانمے تواند کرد
کسے کہ درگرد جامہای فلطاری است

ترجمہ: کسی کام کی گانٹھ کوئی کھول نہیں سکتا اور اس پر وہ جس کے کپڑے فلکاری (پھول کاری) سے بنے ہو۔

'فلطاری' ہندی بھولکاری کا مفرس ہے:

تا برقص انداز نازای شوخ رعنا کردہ | بستہ زنگولہ صدفتنہ برپا کردہ

ترجمہ: تم ناچو جب تک کہ تم تھک کر گر نہ جاؤ گے۔ اس شوخی نے تم کو خوبصورت بنا دیا ہے۔ کیونکہ بند زنگ آلود سو فساد برپا کرتا ہے۔

ان کا بیٹا میرزا گرامی بھی صاحب سخن تھا۔ یہ رباعی اس کی ہے:۔

ہمیشہ حکم کسے درد یار ماجاری است | کہ خامہ اش چو رگ ابر در گہرباری است
بزار داغ فلک خود زاخزان دارد | ترا توقع مرہم زچرخ زنگاری است

ترجمہ: ہماری اس دنیا پر ہمیشہ کسی کا حکم جاری رہتا ہے جس طرح جوہر کے اوپر ہمیشہ نرم اور خام دھار قائم رہتی ہے۔

تم چھوڑ دو آسمان کو کہ گرم ہو جائے اور خود ہی اس کی تدبیر کرے تم کیوں زنگ کھائے ہوئے مشین کی مرہم کی امید رکھتے ہو۔

محمد امین دانا

فکر رسا رکھتے تھے۔ شاعری کے نشیب وفراز سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ فرخ سیر کے ابتدائی زمانہ میں امیر الامراء کے منشیوں میں شامل تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

انتظار اندر سخن عیب است داناچون ہلال
مصرع برجستہ باید کوپس از ماہے بود

ترجمہ: باتوں کے اندر انتظار بہت مشکل ہے۔ اسلئے دانا اور عاقل کمزور ہو جاتا ہے۔ اس لئے برجستہ شعر کسی سے لئے نہیں جاتے۔

میر محمد معروف

قاضی محسن اندرواری کے بیٹے تھے۔ میاں محمد امین دار کے روشن ضمیر مریدوں میں شمار ہوتے تھے۔ ان کے اوران کے دوستوں کے حایل میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ اعلیٰ درجہ کے خوش نویس تھے۔ برجستہ شعر کہتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

چرخ از جگرم ربوداغے — افروخت بہ بزم خود چراغے
وزدولت داغ عشق کا فیت — خاکستر من بطرح باغے
معروف درین بہار توبہ — دیوانہ بہر زہ کردہ لاغے

ترجمہ: زمانہ نے مجھ سے میرے جگر سے میری گرمی چھین کے لے لی ہے اور اپنے محفل کے چراغ کو روشن کیا۔

عشق اور محبت کی گرمی کافی اور بہت دولت ہے۔ کیونکہ میرا خاکستر ہی میرے باغ کی سینچائی کرے گا۔

معروف اس بہار کے موسم میں توبہ کرتا ہے اور پاگلوں کی طرح فٹ اور انیچ کوناپتا ہے۔

شاہ رضا چشم

"شاہ" تخلص کرتے تھے۔ رنگ رنگ کے فنون سے آراستہ تھے۔ بدیہہ گوئی میں وقت کے لاثانی شاعر تھے۔

ملا عبدالغفور نامی

شاعری میں گرامی اور فن شعر وسخن میں تخلص کے اسم بامسمیٰ تھے۔ نامی نے عمر بھر شاعری کی۔

محمد اشرف یکتا

کم گو لیکن برجستہ گو شاعر تھے۔ شعروں کا دیوان مشہور ہے۔ خود کہتے ہیں۔

درمیان این ہمہ ارباب شعر
شعر اگر کم گفت یکتا کم نگفت

لطف اللہ بیگ

تخلص اپنا صہبا رکھا تھا۔ ملا ساطع اور مشتاق کے شاگرد تھے۔ سخنوری میں طاق اور نثر گوئی میں مشہور تھے۔

ملا میر نازک فانی

زرگری پیشہ تھا اور فرصت کم پھر بھی شعر وانشاء میں کچھ نہ کچھ قابل تحسین وداد کرتے تھے۔ ۱۱۶۲ھ میں آخرت کا سفر کیا۔

شرف الدین خان فرحت

باپ کا نام محمد جان اور دادا ملا کاظم جلالی تھا۔ طبیعت کی تیزی اور روانی میں اچھلتے فوار سے کم نہ تھے۔ شیر جنگ خان کے وقت میں صدارت کشمیر پر مقرر ہو گئے۔ کچھ مدت کے بعد اس عہدے سے دست بردار ہو کر تنہا نشینی اور خلوت نشینی اختیار کی۔ مزار شیخ گنج بخشؒ میں دفن ہیں۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

دل چو بیجا شد پریشان گردد اوراق حواس
ربطہ در دفتر نماند چون شود سرفرد گم
عشقت کمی از چارہ تدبیر ندارد
درمانِ تب شیر طبا شیر ندارد
طبع فرحت کے اسیردا ساطع میشود
این کبوتر ہر زمان مشتاق بامِ دیگراست

کسی اور شاعر نے فرحت کے اس شعر کے مصرع اول کو یوں بدل دیا ہے۔

اعتبارے نیست ہرگز طائر اقبال را　　　این کبوتر ہرزمان مشتاق بام دیگراست

خواجہ امان اللہ

والد کا نام خواجہ ابوالفتح صابونی تھا۔ شعر گوئی کی طرف طبیعت لگ گئی۔ موزون طبیعت اور حسن استعداد نے شاعروں کے زمرہ میں جگہ دی۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

گل رعنا دور وآئینہ شداندر چمن پیدا
زیکسورنگ یارمن ایک سو رنگ من پیدا

محمد عاقل

عیدوں کا امام تھا۔ عیدگاہی خطیب کہلاتا تھا۔ امیر الامراء شہید کا مداح تھا۔ اس کی تعریف میں کہا ہے:۔

اقبال تو اقبال سکندر گردید دنیائے تو ودین بہتر گردید
تارگرہ تو در روز ازل بارشتہ عمر خضر ہمسر گردید

آخر پر صفدر ملک کی ملازمت اختیار کی تھی۔

حکیم رحمت اللہ

سخندانی، شعر خوانی اور فن شاعری کے رموز وکنایات اور دقیق باتوں کو سمجھنے اوران پر عبور حاصل کرنے کیلئے جوانی کے دن صرف کر کے قدیم شاعروں کے ہم پلہ ہو گئے تھے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

بجانان جان رسد آندم کہ از تن جان برون آید
عزیزی می کند یوسف کہ از زندان برون آید
گلخن آن سینہ کہ از داغ غمش گل گل نیست
اخگرآن باغ در وغنچہ شد وبلبل نیست

ترجمہ: جانان (محبوب) کے پاس اس وقت جان پہنچ جاتی ہے۔ جب جسم سے جان جانے کی نوبت آتی ہے۔ جب حضرت یوسفؑ قید سے رہائی پاتا ہے۔ تبھی وہ مصر کا عزیز (حاکم) بننے کا شرف حاصل کرتا ہے۔

وہ سینہ جلتا ہوا انگارہ ہے کہ جس میں غموں کے داغ پھول کی مانند نہ ہو۔ بجھے ہوئے آگ کے ڈھیر کے ایک جلتے ہوئے لکڑی کے ٹکڑے کی مانند ہے وہ باغ جس میں غنچے تو ہو مگر بلبل نہ ہو۔

میر احسن اللہ

نام میر احسن اللہ، تخلص راضی، قاضی عبدالکریم حداد (لوہار) کے بھتیجے۔ عبدالغنی بیگ قبول کے شاگرد شعرائے وقت کے سرتاج تھے۔ محتوی خان کے فساد پر مثنوی شہر آشوب جو لکھی ہے۔ بے نظیر ہے۔ نمونہ کلام سے مخمور نشہ سے بھرے مضامین کا اندازہ لگانا آسان ہے:۔

راضی از قرب قیامت عمرہا کوتاہ شد باغبان از بیم آفت میوہ ہائے خام چید

باعندلیب صلح کنم یا بہ باغبان　　اے گل ترابخاطر عاطر چہ میرسد

ترجمہ: قیامت کے نزدیک ہونے کے ڈر سے اور اس پر راضی رہنے کی وجہ سے زندگی کی مدت کم ہوگئی۔ جیسے باغبان میوئے کے خراب ہونے کے ڈر سے میوہ کچاہی توڑ لیتا ہے۔

کیا میں بلبلوں کے ساتھ صلح کروں یا مالی یا باغباں سے۔ اے پھول تجھے اچھا اور خاموش رہنے سے کیا فائدہ۔

کشمیر کی بڑھائی اور حب وطن کو یوں ظاہر کرتے ہیں:

از دامن این کوہ نخواہیم بدرفت

داماں بزرگ کہ گرفتیم وگرفتیم

ترجمہ: میں اس پہاڑ کے دامن سے اور کوہ اور پہاڑ کے اس پار جانے کی کوئی تمنا نہیں ہے۔ میں نے جو بزرگی اور بڑائی اس دامن میں پائی ہے تو پائی ہے کہیں اور جانے کی چاہت نہیں ہے۔

میاں بیوی کے تعلقات کس حسن ادا سے بیان کرتے ہیں۔

زن صاحب فرزند چوشد علت طبع است　　دشوار بود علت ام الصبیان

ہمیشہ برلب فوارہ این سخن جاری است

کہ اوج منصب دنیای دون نگونساری است

مریض اگر متردو شود تعجب نیست　　سر دوراہیہ موت وحیات بیماری است

کمال فقر وغنا خصم جان بود راضی

کہ نخل راخطراز برتری وبے باری است

ترجمہ: عورت جب بچے کی ماں بنتی ہے تو یہ قدرتی طور پر واقع ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے اس چھوٹے جادو بچے کی پرورش کرنا۔

سختی سے ہمیشہ ہونٹوں پر یہ باتیں جاری تھیں جیسے فوارہ کا پانی جو سختی سے جاری ہوتا ہے کہ اس دنیا کی بلندی ایک ایسا عقیدہ ہے جو پستی کی طرف ضرور جاتا ہے۔

بیمار اگر آگے پیچھے چلا جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ یہ تو موت اور زندگی، زندگی کے دوسرے ہے یا ٹھیک ہوگا یا مرے گا۔

فقیری اور خوشی کا کمال جان کا دشمن ہے اے رافضی کہ خرمے کے درختوں کو خطرہ تب ہوتا ہے جب وہ میوے کے بغیر اور زیادہ اونچا ہو۔

۱۱۹۷ھ میں شاہجہان آباد میں وفات پائی۔

محمد فاروق

میر محمد کے شاگرد تھے۔ شعر وشاعری اور سخن دانی کے ماہر تھے۔ نمونۂ کلام یہ ہے:۔

دل کہ بریز الم شد زانوا مے افتد
جام ہرچند کہ پرشد زصدائے افتد
گرشوم مانند بدر از وصل بار بازمیکاہم زہجرش چون ہلال

ترجمہ: دل جب غموں اور پریشانیوں سے بھر جاتا ہے تو وہ گانے کو پسند کرتا ہے اور شراب کا پیالہ جب بھر جاتا ہے تو آواز آنے لگتی ہے۔

اگر میں میرے یار کے دیدار کے لئے بدراز (راز کو فاش کرنے والا) کے جیسا بن جاؤں گا تو اس وصل کے بدلے مجھے وہی جدائی میں ہلال کی طرح بننا پسند ہے۔

محمد حیات ہادی

شراب فروش کے لڑکے تھے۔ ملا دانا کے شاگرد تھے۔ شعر وانشاء میں اچھی دسترس رکھتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

بمیخواہم کہ گردے گرد آن گلبرگ برگردد
اگرگردد بگرداد نمیخواہم کہ برگردد

ترجمہ: میں چاہتا ہوں کہ وہ گلاب کا پتہ خود سے گھومتا ہوا واپس آئے۔ اگر وہ خاک آلود واپس آیا تو میں نہیں چاہتا ہوں کہ وہ واپس آئے۔

میرزا بیگ

بحارا سے آئے تھے۔ سخنوری میں یکتائے زمانہ، املا و انشاء میں فرد یگانہ تھے۔

ملا یوسف

اکبر یار خان کے شاگرد تھے۔ میاں محمد امین دار کی نظر عنایت رکھتے تھے۔ شعر و سخن میں فاضل ہونے کے علاوہ خوش نویس بھی تھے۔

ملا محمد رفیع مانجی

علامہ شہید کے پاس علوم کے مشعل کو روشن کر کے سخنوری میں جولانی طبع کرنے کی طرف طبیعت مائل ہوگئی۔ اور جوانی میں پختہ کار شاعر کا سہرا زیب سر کیا۔ علامہ شہید کی وساطت سے امیر الامراء کے ملازموں میں جگہ پائی۔ ایک دن یہ بیت لکھ کر امیر الامرا کی نظر میں گذاری۔

بااین محیط کرم گرچہ آشنا شدہ ام
کفم چون کاسہ گرداب ازگیر و خالیست

ترجمہ: میں اس کرم اور بخشش کے ماحول سے واقف ہوا ہوں مگر میرے ہاتھوں میں گول کاسہ (پیالہ یا کٹورا) پکڑ سے بھی دور ہے اور خالی بھی ہے۔

امیر الامراء نے ایک ہزار روپے انعام دیا۔ انہوں نے فی البدیہہ کہا۔

قدردانی ہست ممدوہم کہ چون استاد خط
میدہد برحرف خرفے ہردمے خلعت مرا

میرے ممدوح کی قدردانی یہ ہے کہ وہ کردار کا بھی استاد ہے وہ ہر حرف کے عوض مجھے ہر لمحہ پیسوں کا پاکٹ (تھیلی) خلعت کے طور پر عطا کرتا ہے۔

آخر عمر میں کشمیر آکر سکھ جیون کے شاعروں میں شامل ہوگئے۔ شاعروں میں سے ایک نے ''شکرنمک'' قافیہ اور ردیف کی سنگلاخ زمین میں طرح مصرعہ ڈالا۔ مشاعروں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ ملا رفیع نے ایک طویل قصیدہ لکھا۔ نمونہ یہ ہے:۔

ایکہ یک عالم آتیت از درگیش یابد دو وقت
دال چاول ماش و برنج و روغن وشکرنمک

تن بہ آغوش سرد من ندہد سرو آرے بہ برنمے آید

ترجمہ: اس کے دربار میں میں دو وقت بہت سارا دال اور چاول، مرغے اور تیل اور شکر اور نمک پاؤں گا۔

اپنے جسم کو میری سرد (بے محبت) پہلو میں مت دے دو کیونکہ تیرا سر سچ مچ میں واپس نہیں آئے گا۔

محمد علی خان متین

عصام الدین خان کے بیٹے تھے۔ جو ایک وقت تھوڑی دیر کے لئے نائب صوبہ کشمیر تھے۔ عبدالغنی قبول اور قاسم خان سے اصلاح لیتے تھے۔ بلند پایہ کی موزون طبیعت رکھنے والے شاعر تھے۔ سکھ جیون خود سخن دان اور سخن دانوں کا قدردان تھا۔ جب وہ کشمیر کا راجہ بنا اور عنان حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ تو ہر ہفتہ میں اتوار کے دن مشاعرہ منعقد کراتا تھا۔ شعرائے کشمیر میں سے ساتھ شاعر متین، سامی، نوید، راجح، توفیق، شائق اور حسن تاریخ کشمیر لکھنے کیلئے مقرر کئے۔ ایک ایک بیت کے لئے ایک ایک روپے مقرر کیا۔ شاہنامہ کے ساتھ حصے کئے گئے۔ شاعر کام میں لگ گئے۔ اسی اثناء میں سوکھ جیون ہاتھی کے پاؤں تلے روندوایا گیا۔ شاہنامہ کا کام بھی معطل گیا۔ ملا توفیق کے دو ہزار شعر۔ سامی کے اڑھائی ہزار اور شائق کے کوئی ساٹھ ہزار شعر موجود ہیں۔ باقیوں کا لاپتہ ہے۔ متین نے ۱۱۷۹ھ میں رحلت کی۔ حضرت گنج بخشؒ کے مزار

میں دفن ہیں۔نمونہ کلام یہ ہے:۔

دے بسوی غیر من اے بیوفا دیدن بود — درحضور من ازو احوال پرسیدن چہ بود

دیدن پرسیدن ہم احوال سہل است سہل — باز از فریاد اوازراہ گردیدن چہ بود

بازگردیدن زراہش ہم مستم داشتم — حرف پنہانی ازودرگور پرسیدن چہ بود

حرف پنہانی از پرسید نت ہم پیشکش — درشکایت زیر لب انداز خندیدن چہ بود

زیر لب خندیدنت ہم بود اگراز راہ ناز — غیر چون میر فت اورباز پش دیدن چہ بود

گفت خاموش اے متین کانیہا مگرنشنیدہ

بیوفائی راہ ورسم ماست پرسیدن چہ بود

ترجمہ: کل اے بے وفا دوست مجھے دیکھ کر نظر پھیرا کر غیروں کی طرف نظر رکھنے کا کیا مطلب تھا اور میرے ہوتے ہوئے میرا حال لوگوں اور غیروں سے پوچھنے کا کیا مطلب ہے۔ میں تیرے پاس تھا مجھ سے ہی میرا حال پوچھا ہوتا غیروں کے بدلے۔

مجھے دیکھ کر مجھ سے احوال پرسی کرنا بہت آسان اور سہل ہے مگر سر عام یا بازار میں جا کر فریاد کرنا اور راستے میں چلنے والوں سے میرا حال پوچھنا اور شکایت کرنے کا کیا مطلب ہے۔

اس کا راستے سے واپس لوٹ آنا ہی میرے لئے مشکل تھا اور وہ میرے لئے ستم سے کم نہ تھا اور قبر میں اس سے چھپ چھپ کے کچھ پوچھنے کا مطلب کیا تھا۔

اس سے چھپ چھپ کر باتیں پوچھ لینا چلو ٹھیک ہے مگر شکایت کے طور پر ہونٹوں تلے چھپ کر ہنسنے کا کیا مطلب ہے۔

ہونٹوں تلے ہنسنے کا مطلب شاید خود پر ناز اور فخر کی وجہ سے تھا مگر اگر اجنبی گزر رہے تھے ان کے آگے پیچھے دیکھنے کا کیا مطلب ہے۔

اس نے کہا اے متین تم چپ ہو جاؤ۔ کیا تم نے نہیں سنا ہے کہ بے وفائی ہماری عادت اور رسم ہے مگر یہ سب کچھ پوچھنے کا کیا مطلب تھا۔

عبدالوہاب شائق

علاقہ کھویہامہ کے ایک گاؤں دچھنہ کی مسجد کے امام تھے۔ موزون طبیعت تھی۔ سلیس اور سادہ شعر کہتے تھے۔ مادۂ تاریخ نظم میں نکالنے کی اچھی مہارت تھی۔ سوکھ جیون کی فرمائش پر سادات کشمیر، ریشیان کشمیر اور یاران سلطان العارفین شیخ حمزہؒ کے حالات غیر مرتب طور پر قریباً ساٹھ ہزار شعروں میں لکھے۔ یہ سارا کام ناتمام رہا۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔

راستان اگر بزرالفت نباشد بهتر است
چون الف باز رشود پیوسته نقش آزرست
اعتمام هستی موهوم کردن ابلهی است
چون گذارد کس قدم بالائے ظل پل درآب

ترجمہ۔ سچے لوگوں کو اگر سونا اور چاندی وغیرہ سے محبت نہ ہو گی تو اچھا ہے۔ کیونکہ پھر انسان سونے چاندی اور دنیا کے سامان کے پیچھے ہمیشہ رہتا ہے اور اسی طرح جہنمی بنتا ہے۔

اس ناپائیدار دنیا پر بھروسہ کرنا بے وقوفی ہے۔ کیونکہ جس کسی نے اس میں قدم رکھا جیسے آب (پانی) کے اوپر پل کے سائے میں قدم رکھا جو کبھی بھی ڈوب سکتا ہے۔

بانڈے مزار میں دفن ہیں۔

محمد جان بیگ سامی

باپ کا نام سعید بیگ تھا۔ سنگین دروازہ کے باہر سکونت کرتے تھے۔ عبدالرشید بینوا سے اصلاح لیتے تھے۔ مشق سخن نے استدادوں میں جگہ دی۔ سوکھ جیون کے شاعروں کے زمرہ میں شامل ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ سوکھ جیون نے خواجہ حافظ شیرازی کے غزل۔

"اے فروغ ماہ حسن از روئے رخشان شما" پر دربار کے شعراء کو طبع آزمائی کرنے کی فرمائش کی۔ محمد

جان اس وقت تک دربار میں باریاب نہ ہوئے تھے۔ مشاعرہ کے دن شعراء اپنے اپنے غزل سنانے آئے۔ محمد جان نے باہر سے ہی یہ بیت لکھ کر سوکھ جیون کے پاس بھیج دیا۔

سامی از راہ حیا بیرون درافتادہ است
بازگردد یاد آید چیست فرمان شما

ترجمہ: سامی حیا اور شرم کی وجہ سے باہر گرا ہوا ہے۔ واپس آئے گا یا اندر آئے گا۔ کیا ہے تمہارا فرمان (یعنی حکم)

سوکھ جیون نے اسی وقت اندر بلایا اور شاعروں کے زمرہ میں داخل کیا۔ سوکھ جیون اور اس کے دیوان مہانند پنڈت کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے۔ جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

کار پرداز تومہانند است	آنکہ ہست از قبیلۂ درہا
مے نمائی بنام اوتنخواہ	نقد وجنس وبرات چاکر ہا
گفت درباب جستن روری	سعدی آن آگہہ از مقدر ہا
گرچہ کس بے اجل بخواہ مرد	تو مرد دردہان اژدر ہا
.رزق ہر چند بے گمان برسد	شرط عقلت جستن از درہا

ترجمہ: تمہارے ذمہ جو کام تھے وہ بہت عالی اور کامیاب ہے اور یہ ہے کہ خاندان در سے ہے کیونکہ مہانند سوکھ جیون کا دیوان تھا۔

تم اس کے نام تنخواہ رکھو گے۔ نقد اور جنس (مال) چک اور ملازم نوکر بھی ان کے نام کرو گے۔

کہتے ہیں کہ روزی دروزے پر تلاش کی جاتی ہے یا مانگی جاتی ہے۔ سعدی وہ ہے جس کو تقدیر نے دیا ہے۔

جبکہ کوئی بھی اجل کے بغیر نہیں مرتا ہے مگر پھر بھی تم اژدہا کے منہ میں مت داخل ہو جاؤ۔

رزق تو خدا کے ہاتھ میں ہے۔ جس پر چاہئے برساتا ہے مگر پھر بھی شرط ہے عقل کی اور صحیح راستہ چن لینے کا۔

سوکھ جیون کی خرابی اور تباہی کے بعد دہلی جا کر ابوالقاسم خان کے پاس دن گذارنی کرتے رہے۔
۱۱۹۵ھ میں وفات پائی۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔

خدایا بال وپرواز محبت دہ فغانم را
بکن عنقائے قاف عشق قمری زبانم را

کرایارا کہ ہنگام غضب سوی تو مے آید عرق برخویشتن لرزد چو بروی تو مے آید

چہ روز است اینکہ دیگر بر سرم آن سرو ناز آمد
قیامت شد مگر قائم کہ عمر رفتہ باز آید

قادری ہستم وغوث الثقلینؓ پیر من است سگ آن شاہم واین سلسلہ زنجیر من است

ترجمہ: خدایا میری محبت کے نالوں اور فریاد کو ایسے پر عنایت کر کہ وہ اڑ سکے اور میرے عشق کو ایسی عقل عطا کر اور قمری زبان دے تاکہ وہ بیان کر سکے۔

اے میرے گونگے یار عذاب اور غضب کے وقت میں تیرے پاس چلا آؤں۔ میری رگ (رگیں) میرے اندر لرزتی ہے جب میں تیرے پاس آتا ہوں۔

یہ کیسا دن ہے کہ وہ سرو ناز والا دوست میرے سراہنے آ گیا۔ قیامت بپا ہوئی اور گزری ہوئی عمر واپس آ گئی۔

میں قادری ہوں اور غوث الثقلین میرا پیر ہے۔ میں اس شاہ کا گدا ہوں اور یہ میری زنجیر کی چین (سلسلہ) ہے۔

رحمت اللہ بانڈی

تخلص نوید۔ بدیہہ گوئی میں کمال تھا۔ سوکھ جیون کی محفل مشاعرہ میں بڑی قدر اور عزت رکھتے تھے۔ ان کا دیوان قابل دید ہے۔ اور تاریخ کشمیر کے کچھ جزو جو تصنیف کئے ہیں نہایت عمدہ ہیں۔

ملا راجح

سوکھ جیون کے مجلس مشاعرہ کے نامدار شاعر تھے۔ سوکھ جیون ان کی بڑی عزت اور قدردانی کرتا تھا۔

ملا حسن و عشقی

بدیہہ گوئے۔ نازک خیال اور نامور شاعر تھے۔ دونوں کا کلام آبدار موتی سے بڑھ کر ہے۔

محمد یحییٰ حیا

ملا محمد امین دانا عرف نارو کے بیٹے تھے۔ شائستہ اخلاق، نیک اطوار، شعر و انشاء کے میدان کے شہسوار تھے۔ ۱۱۸۹ھ میں وفات پائی۔ تاریخ ہے۔ ''سوی فردوس رفتہ از دنیا'' نمونہ کلام یہ ہے۔

آئینہ خانہ ایست چراغان زیک چراغ
عالم تمام پر زخدا وخدا یکست!

نہ بیند سوی من ہرگز نمیدانم چہ دید از من
بجرمم گوش نگذارد چہ چیز آیا شنید از من
گرفتم آستینش از ناز افشاندہ
کشیدم دامنش دامن از استغنا کشید ازمن

یعقوب تراشکوہ نشاید از گرگ والله کہ چنین فتنہ برآید گرگ؟
از چہ بشنو کہ زیر لب میگوید آید زیر دار کہ آنچہ ناید از گرگ

ترجمہ: ایک چراغ کے نور سے آئینہ خانہ چراغاں لگ رہا ہے۔ جیسے ایک یکتا خدا کے پر در تمام عالم ہے۔

وہ میری طرف نہیں دیکھتا ہے۔ پتہ نہیں میرے دیدار میں کیا خرابی ہے جو وہ ہرگز میری طرف نگاہ

نہیں کرتا۔ وہ میرے باتوں کو توجہ نہیں دیتا۔ پتہ نہیں میرا کیا اس نے سنا ہے۔

میں نے اس کا دامن پکڑ لیا اور فخر سے پکڑا۔ جب میں نے اس کے دامن کو کھینچا تو اس نے اپنا دامن مجھ سے خود الگ کر دیا یعنی چھڑوایا۔

اے یعقوبؑ تمہیں نہیں چاہئے کہ تم بھیڑے سے شکوہ کرو۔ اللہ کی قسم کہ اس طرح بھیڑے پر یہ فتنہ اور الزام ہوگا۔

آپ سن لو کہ وہ زیر لب دل ہی دل میں کیا کہتا ہے۔ اگر سمجھ سکو تو سمجھ لو اگر تم بھیڑے سے کچھ سمجھنا چاہتے ہو۔

محمد کاظم

والد کا نام حکیم عنایت اللہ تھا۔ شاعر گرامی تھے۔ سامی کے مقابلے کا ہے۔

اسد اللہ شگون

اسد اللہ نام اور شگون تخلص تھا۔ ہنر مندی، زیر کی، دانائی اور سخنوری کا مجسمہ تھا۔ شیخ یحییٰ رفیقی کے نکاح میں بہن تھی جس کے پاس عمر کو تنہائی میں گذارا۔ ہجو، ہزل اور استہزا گوئی غالب تھی۔ کس و ناکس کو کچھ نہ کچھ سناتا۔ یہاں تک کہ اپنے باپ اور اپنے بہنوئی شیخ محمد یحییٰ تک کو بھی نہ چھوڑا۔ فارسی اور کشمیری دونوں زبانوں میں شعر کہنے کی قدرت تھی۔ شیعوں کے ساتھ بہت الفت تھی۔ "بدشگون رافضی تخلص من" استہزا میں کہتا تھا۔ ایک دن ملا اشرف یکتا کے دو صاحبزادے اپنی غزلیں لیکر اس کے پاس آئے۔ اور تخلص ٹھیک کرنے کی التماس کی۔ ذرا فکر کرنے کے بعد بولا۔ تم ٹکتا اور تم بھکتا تخلص کیا کرو۔ (باپ یکتا، بیٹے ٹکتا اور بھکتا) نمونۂ کلام یہ ہے۔

مرا غیرت بدل از زلف ہندوی تو مے آید
کہ این کافر بقصد بوسہ بروری تو مے آید

تو در خواب ازل بودی چمن پیرای آغوشم
ہنوز از بستر وبالین من بوئ تو مے آید
ہر لحظہ بہ کربلا وطن مے خواہم
آغشتہ بخاک وخون بدن مے خواہم

ترجمہ: اے ہندی چہرے والے میرے دل کو غیرت ہو رہی ہے تجھے دیکھ کر اور تیرے زُلف (بالوں) کو دیکھ کر کہ یہ کافر (بدخصلت) تمہیں چومنے کی غرض سے تیرے چہرے پر آرہا ہے۔

تو میرے باہوں (آغوش) میں ازلی سویا ہوا تھا اور چمن سجا رہا تھا اور اب بھی میرے بستر اور میرے سرہانے سے تمہاری خوشبو آتی ہے۔

میں ہر لمحہ کو چاہتا ہوں کہ میرا وطن کربلا کی زمین ہو اور اپنے بدن کو خاک اور خون میں غلطیدہ چاہتا ہوں۔

میر عنایت اللہ

میر حسن کنٹ کے پوتوں میں سے تھے۔ دنیاوی دھندوں سے فرصت نہ ہونے کے باوجود معنوی کاموں سے غافل نہ تھے۔ عربی اور فارسی کے فاضل عالم تھے۔ شعر و انشاء میں بے نظیر سلطان العارفین شیخ حمزہ مخدومؒ کی درگاہ پر روزانہ جاتے تھے۔ قسمت نے پلٹ کھایا اور کشمیر سے بھاگ کر کرناہ میں پناہ لینی پڑی۔ وہاں سے یہ "منقبت" لکھ کر آستانہ پر بھیجی۔

صبا سوئ جنابے آنکہ خاک اوست آفاقے
بپرواز بہر عرض حال دور افتادہ مشتاقے
پس از عرض سلامم سورہ لاأقسم خوانی
کہ عیزاز فی کبد حال دلم را نیست مصداقے
نہ تنہا ہمچو تیر جستہ دور از خانمانم من
بہ پیری چون کمانے گشتہ دارم جسم ناچاقے
شد از مشقت صفحہ عالم سیہ بنگر
چون من درد ہر در مشق مشقت نیست مشاقے
گریزان از رہ ننگ است ہر کس زاختلا ما من
بمن کس را بغیر از عار بنود میل الحاقے

عنایت چون بجایم در پے آب وعلف رفتہ کیوانات آخر ہمنشین گشتے بایلاقے

ترجمہ: اے صبح کی ہوا اس جناب کے پاس جس کی خاک آسمان سے بھی بالاتر ہے جاؤ اور اس دور رہنے والے عاشق کی عرض لے کر اس کے پاس جاؤ۔

میری عرض سلام کے بعد تم سورہ قارعہ کی تلاوت کرنا اور (فی کبد) رنج کے اندر بھی رنج کے سوا میرا کوئی اور ثبوت نہیں بلکہ میں رنج میں رہتا ہوں۔

جس طرح میں اب اکیلے تلوار یا تیر گھر سے دور نہیں پھینک سکتا۔ اب میں بوڑھاپے میں کسی چیز کے ساتھ اکیلے کام نہیں کر سکتا کیونکہ میرا جسم بہت ضعیف اور نا قابل طاقت ہو چکا ہے۔

اب محنت اور مشقت سے میرے دنیا کا صفحہ کاغذ کالا ہو چکا ہے۔ آپ دیکھ لو اور اب میں کوئی بھی درد اور عشق کے لئے بے قرار نہیں ہوں۔

ہر کوئی جھوٹ اور شرم کے راستے سے بھاگنا چاہتا ہے اور جس آسانی سے ظاہر کرتا ہوں اور میرے ساتھ کوئی بھی جھوٹ اور شرم کے سوا ملنا نہیں چاہتا۔

میرے حال پر رحم کھا کیونکہ میں آب اور سبزہ کی تلاش میں ہوں۔ سیارے میرے ساتھی بن گئے ہیں۔ میں ان کے ساتھ گھومتا رہتا ہوں آب اور سبزہ کی تلاش میں۔

کرناہ میں وفات پائی۔ نعش کو وہاں سے لا کر سلطان العارفینؒ کے آستانہ کے متصل مزار میں دفنایا گیا۔ نمونۂ کلام بھی دیکھئے۔

این زخم دل زغمزۂ چشم سیاہ کیست
دین نیم کشتہ بسمل تیغ نگاہ کیست؟
در بزم بادہ بادہ نخوردن گناہ من
چون جام بادہ خوردن خونم گناہ کیست

ترجمہ: یہ زخمی دل اور تڑپتا دل اور کالی آنکھیں کس کی ہے۔ یہ کون دین سے نصف الگ ہوا ہے اور یہ تیز نگاہیں کس کی ہے۔

اس شراب کو شراب کی محفل میں نہ پینا گناہ ہے اور شراب کے پیالے کے ساتھ میرا خون پینا کس کا گناہ ہے۔

میرزا قلندر

محمد علی خان متین کا بھائی تھا۔ بچپن ہی سے شاعری کی طرف طبیعت لگی تھی۔ برجستہ شعر کہنے کے لئے مشہور تھا۔

محمد رضا کنٹ

بلند ذہن کشمیری شاعروں میں سے تھے۔ ملا ساطع سے اصلاح لیتے تھے۔ ۱۱۸۷ھ میں رحلت کی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

شب کہ دل دریاد آل مصطفیٰ درنالہ بود
تارا شکم در دواپنہا حسینی میرود
رضا درفکر معنی پیر گشتی
سرت گردم کہ شار شعرت بیاضی

ترجمہ: رات کو جب میرا دریا جیسا دل آل مصطفیٰؐ کی یاد میں نالہ وفریاد کررہا تھا تو میرے آنسوؤں کی دار۔

رضاؔ تو شعروشاعری کے معنی کی فکر اور پریشانی میں بوڑھا ہوگیا۔ آپ کی بلائیاں لے لو کہ تمہارے شعراب شعر بیاضی بن گئے۔

خواجہ بہاء الدین

خواجہ نوراللہ کے فرزند، نامور اور برجستہ گو شاعر تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے:

بیادت در بشب خوابیدہ بودم
قیامت شد مرا بیدار کردن

ترجمہ: میں تمہاری یاد میں رات کو سویا ہوا تھا اور مجھے بیدار کیا گیا کیونکہ قیامت بپا ہوئی تھی۔

رحمت اللہ تمکین

فصاحت و بلاغت والے شاعر تھے۔ متقدمین کے انداز پر شعر کہتے تھے۔

ملا محمد توفیق

جڈو قبیلہ سے تھے۔ مسجد جامع کے متصل مغرب کی طرف رہائش کا مکان تھا۔ شروع میں ساطع سے اصلاح لیتے تھے۔ پھر محمد رضای مشتاق کو اپنا کلام دکھانے لگے۔ خداداد طبیعت، لیاقت اور استعداد نے ملک الشعراء کشمیر کے درجہ پر پہنچایا۔ اکثر نقادوں کا خیال ہے کہ ملا طاہر غنی کے بعد توفیق جیسا شاعر کشمیر میں نہ اٹھا۔ سوکھ جیون کی مجلس شعراء کا صدر حقیقی معنوں توفیق تھے۔ غزلوں کی دیوان خیال کی بلندی پر مضامین کی رنگینی، الفاظ کی شرینی، معانی کی باریکی کے لئے مشہور ہے۔ علاوہ اس کے کئی رسالے، قصائد، نعت اور منقبت ہیں۔ یوسف شاہ چک کے زمانے سے لیکر عہد عالمگیر تک تاریخ کشمیر دو ہزار بیتوں میں ہے۔ مختصر یہ ہے کہ توفیق شعر و شاعری کے سمندر کے آزمودہ کار تیراک تھے۔ ۱۲۹۷ھ میں رحلت کی۔ تاریخ ہے۔ آبرو بود بگلزار سخن۔ نمونۂ کلام "سراپا" سے۔

فیچلا فتنہ دوران شدنت اے کافر — کہ تراپشتی بانیست چوکاکل برسر
زلف امروز درجور بمانکشودہ است — ماراز روز ازل دشمن آدم بودہ است
معنی مرغ شب آویز نمے فہمیدم — یافتم درخم زلفت چودل خود دیدم
بنی وچشم ودو آبروی توای گل اندام — شاخ بادام دوبادام دوبرگ بادام
سال عمر بچہل آمد وقارشد مائل — چلہ گردید کمان اجل ومن غافل

رانده عالم وسوی تو مے آیم باز   که خرد کاغذ باطل شد را کاغذ ساز

ترجمہ: اے کافر! تیرے وجہ سے یہ زمانے میں فتنہ اور فساد برپا ہوا۔ کیونکہ یہ تیرا آبائی (کام) ہیں۔ جیسے سر پر گھانٹ ضروری ہے اسی طرح جہاں تو ہے وہاں فساد کا ہونا ضروری ہے۔

آج کے اس زلف نے ہم پر مصیبت کا دروازہ کھولا ہے۔ سانپ تو ازل سے ہی آدم کا دشمن تھا۔

رات کے مرغے کا کھڑا ہونے کے معنی میں نہ سمجھ سکا جب میں نے تمہارے زلفوں کا زخم دیکھا تو وہاں اپنے دل کو پایا۔

اے پھول جیسے محبوب تمہاری ناک اور تمہاری آنکھیں اور دو ابرو جیسے بادام کی شاخ، دو بادام اور بادام کے دو پتے۔

میری زندگی (عمر) چالیس سال کو ہونے آئی اور میرا قد اب جھکا ہوا ہے۔ چلہ ختم ہوا اور اجل (موت) کے آنے کی باری آئی مگر میں ابھی بھی بے خبر ہوں۔

میں نے دنیا کی سیر کی اور اب پھر تمہاری طرف لوٹ رہا ہوں۔ اے کاغذ بنانے والے اب کاغذ کی تعداد ختم ہونے کو ہے۔

نمونۂ کلام "دیوان" سے:۔

زد پنجه بخون وحنارا بهانه ساخت   انداخت جام ولغزش پارا بهانه ساخت
بعالی همتی بر هر که از دنیا نظر کردم   بسان مهراز روی رنظر کردن گذر کردم
فریدو قتم وکامم زرگ کام شد حاصل   شکر را خاک کردم خاک را دیگر شکر کردم
تیر بختا نراز نیکو شهرتی نکشود هیچ   چون غلام خواجه مفلس که نامش دولت است
بهار آمد که دل تنگی زعالم رخت بر نبدد   نسیم روح پردر خاطر یرا غنچه نه پسندد
رسد صهبا برآید ابر گیتی بشگفد گل گل   بحال تو به کاران آسمان گرید زمین خندد

ترجمہ: اُس نے اپنا ہاتھ خون میں ڈالا اور مہندی کا بہانہ کیا۔ اس نے شراب کا پیالہ گرا دیا اور غلطی کا بہانہ بنایا۔

میں نے دنیا میں جس کسی کی طرف نظر کی تو بلند ہمت پایا اور محبت کے ساتھ ان کے چہرے کی طرف نظر کی اور گزر گیا۔

میں اپنے وقت کا ایک اور اکیلا ہوں اور اپنا مقصد کسی بھی طرح حاصل کرتا ہوں۔ میں نے شکر کو خاک بنایا ہے اور پھر خاک سے اس کو شکر بنایا ہے۔

بد بخت لوگوں کے لئے نیک شہرت سے کیا حاصل ہے۔ جس طرح خواجہ کے غریب غلام کی شہرت سے کوئی فائدہ نہیں۔

بہار آئی اور پریشانی اور غم نے دنیا سے اپنا بوریا بستر بند کیا۔ روح کو لبھانے الی ہوا کبھی بھی غنچہ پسند نہیں کرتا، نہ اس کی یادیں۔

صہبا کے آنے سے دنیا کا ہر ایک پھول کھلنے لگا ہے اور تمہارے حال پر آسمان کے کام کرنے والے روئیں گے اور زمین والے ہنسنے لگے۔

باغوں اور جگہوں کو کس لطافت سے پیش کرتے ہیں:۔

نور باغ عارضت بے نور شد از جوش خط
خود صفا پور رخت زالور شد از جوش خط
زالپورزلف رایک تار جمعیت نماند
مانچہا مون لبت مچپور شداز جوش خط

برروز حشر الہا چونامہ علمم کنند باز که آن روز باز خواه منست
بکن مقابلہ آن رابسر نوشت ازل اگر زیادہ کمی ہست آن گناہ من است

ترجمہ: نور باغ راستے کی گرمی کی وجہ سے عاضری طور پر بے نور ہو گیا اور صفا پور نے جوش خط کی وجہ سے اپنا رخت (لباس) تبدیل کر دیا۔

زال پور کے لوگوں میں سے ایک بال کے برابر بھی نہ بچے۔ مانچہ مون سکڑ کر رہ گیا خوش خط کی جہ سے۔

قیامت کے دن سب خدا ہمارے نامہ اعمال کو کھولے گا اور اس دن ہم لوگوں سے سوال کیا جائے گا

اور ہم جواب دہ ہوں گے۔

آپ ازل کے لکھے ہوئے تقدیر سے مقابلہ کروں۔ اگر اس میں زیادتی یا کمی ہوگی وہ گناہ میرے سر ہوگا۔

خواجہ عبدالغفور

اچھے شاعروں میں شمار ہوتے تھے۔ گلشن کشمیر سے بلبل بے خانمان کی طرح شکستہ پر وبالی کی حالت میں دہلی گئے۔ غازی الدین خان نے مشفق صیاد بن کر دانہ پانی سے نوازا۔ کچھ عرصہ کے بعد لاہور آئے اور معین الملک کو سراہتے رہے۔ یاد وطن نے چین سے رہنے نہ دیا۔ واپس کشمیر آ کر محنت اور غربت میں دن گزار کر ۱۱۹۱ھ میں دنیاوی دھندوں سے نجات پا گئے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

برتخت تجلی چو یشہ حسن برآید ملک دل عالم ہمہ تسخیر نماید
درویش وغنی بندہ شونداز دل وجان ہر یک بسجود از رہ اخلاص برآید
زود از نظر گذشت آن یار بار نگہم بروشود یار

ترجمہ: نور کے تخت پر تو حسن کا ہونا لازمی ہے۔ دل کا بادشاہ پوری دنیا کو جیت نہیں سکتا۔

فقیر اور امیر دونوں دل و جان سے اللہ کے بندے ہوئے اور دونوں خلوص سے خدا کے سامنے سر بسجود ہوئے۔

وہ میرا دوست بہت جلدی میری نظروں کے سامنے سے نکل گیا شاید میری نگاہوں کے بوجھ تلے وہ دب کر بھاگ گیا۔

ملا عطاء اللہ ہما

ملا محمد بلاقی کلو کے بیٹے تھے۔ مولانا سعد الدین صادق اور شیخ رحمت اللہ سے تعلیم حاصل کی تھی۔ نہ صرف شعر وانشاء ہی میں فاضل اور کامل تھے۔ بلکہ دوسری اخلاقی فضیلتوں میں بھی سبھوں پر فضیلت رکھتے

تھے۔ایک لاکھ شعر، خزینۃ الاعداد اور ذکر الصالحین۔ان کی طبع زاد یادگار ہیں۔۱۱۹۴ھ میں رحلت کی۔تاریخ ہے۔برداشت ہما سایہ زفرق عالم۔نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

دریں گلشن مپرس از برگ وسامانے کہ من دارم
زتخم گل ہمیں چاک گریبان است دربارم

بروں ازدلم شد تمنائے دنیا   برآمد مرابعد عمرایں تمنا
چون جناب بادہ یکدم امید عشرتے   ما زبیرون و درون کردیم رنگین خانہ را
درمرتبہ علی نہ چونست نہ چند   درخانہ حق زاد باقبال بلند
ہرلاولدے کہ خانہ زادے دارد   شک نیست کہ باشدش بجای فرزند

ترجمہ: اس دنیا کے باغ میں مجھ سے مت پوچھ کہ میرے پاس کون سے پتے اور سامان ہے۔میرے پاس جو پھولوں کا خزانہ ہے۔میرے دربار میں سب پھولوں نے اپنا گریباں چاک کیا ہے۔

اس دنیا کی آرزو میرے دل سے دور چلی گئی اور میری یہ تمنا اس دنیا سے چلے جانے کے بعد برآور ہوئی۔

چونکہ ہوا کا بلبل اچانک انسان کو خوشی اور شادمانی کی امید دیتا ہے۔ہم نے گھر کی خوشبو کو باہر اور اندر کر دیا ہے۔

حضرت علیؓ کے مرتبے میں چوں وچرا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا وہ خدا کے گھر میں پیدا ہوئے اور ان کا اقبال تو سب سے بلند اور بالا ہے۔

جس لاولد (بے اولاد) کے گھر میں کوئی پیدا ہوگا اس میں شک نہیں ہے کہ وہی اس کا فرزند ہوگا۔

''شاہ ولایت حضرت علی کرم تعالیٰ وجھہ کے متعلق مشہور ہے۔کہ وہ خانہ کعبہ کے احاطے میں تولد ہوئے ہیں۔خانہ کعبہ ''خانہ حق'' ہے۔''حق'' لاولد ہے۔''لاولد'' خانہ زاد ہی کو فرزند بناتا ہے۔ہمانے چند لفظوں میں کس خوبصورتی سے اس مضمون کو نہ صرف ادا ہی کیا ہے۔بلکہ شاہ ولایت کے علو مرتبہ کو ثابت کیا ہے۔''

ملا عبدالغنی

ملا مقیم ناتھ کے بیٹے تھے۔ علوم متداولہ میں کمال رکھتے تھے۔ شاعری میں نامی اور گرامی تھے۔ ۱۱۹۴ھ میں رحلت پائی۔

عبدالوہاب ہمت

ذہن رسا رکھنے والے شاعر تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

لطف کن لطف کہ ازعین خطا آمدہ ام
نافہ نامہ سیاہم زخطا آمدہ ام

ترجمہ: مجھ پر مہربانی کر مہربانی کہ میں غلطی اور خطاؤں کے ساتھ آیا ہوں۔ سودمند ہو میرا کالا نامہ اعمال کہ میں خطاؤں کے ساتھ آیا ہوں۔

محتشم خان فدا

خواجہ حیدر کے بیٹے عبداللطیف کے بیٹے متانت خان منصب دار کے عالی قدر بیٹے تھے۔ میرزا محتشم تاریخ ولادت ہے۔ تعلیم میں کمال حاصل کرنے کے بعد اٹھتی جوانی میں عیش و آرام اور کامرانی کے سامان ہونے کے باوجود ہندوستان گئے۔ اور صوبیدار لاہور معین الملک کی صحبت میں باریاب ہو کر مدت تک اس کی مجلس کے زیب و زینت اور رونق بنے رہے۔ اس کی وفات کے بعد کشمیر واپس آ کر کریم خان داد حاکم کشمیر کے پاس کلی اعتبار پائے۔ کمال کی موزون طبیعت رکھتے تھے۔ اچھے اطوار، نیک کردار اور ظریف مزاجی کے لئے مشہور تھے۔ اشعار آبدار موتی ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ساغر بدست سر خوش از نالہ صبوحی — پہ پہ چہ خوش رسیدی ساقی فداک روحی
این ابر و موسم گل این صبح و سوز بلبل — بکشا سرخم مل گر طالب فتوحی

صنمابراہ بگذرپے تماشا شکلنند شیخ وصوفی ہمہ توبۂ نصوحی
چہ بود زبام دولت اگرش چومہ برآئی بدرت نشستہ باشم سرشام باصبوحی

ترجمہ: شراب شرابیوں کے ہاتھوں میں ہی فریادیوں کوسکون بخشتا ہے۔ اسے پلانے والے تم پر روح قربان ہوکتنادل خوش کردیا۔

یہ تمہارے چشم ابرواور پھولوں کاموسم اور یہ صبح کی ہوااور ہر بلبل کاچہچہانا۔ اپنے جھکے ہوئے سرکواٹھا اگرتم کامیابی چاہتاہے۔

اے بت تم مسجد کے راستے سے گزرجا اگرچہ تماشا کی غرض سے اور سب شیخ اور صوفیوں کی اصلیت توڑدے (یعنی ظاہر کردے)

کیاتھا اگر بادشاہ کے سرسے شراب کی بوندیں گریں۔ تمہارے دروازہ پر بیٹھا ہوتا شام سے پہلے تاکہ صبح کی ہوانصیب ہوتی۔

مستزاد

از بزم حیات بادشاہان رفتند درچشم زدن
نرگس چشمان وخوش نقاہان رفتند، چونگل زچمن
بدمہری دہر بین کہ باین زور زور اے وای وای
ازین کمران وکج کلاہان رفتند پوشیدہ کفن

ترجمہ: دنیا کی اس محفل سے بہت سارے پادشاہ پلک جھپکتے ہی چلے گئے۔ نرگس چشموں والے اور خوبصورت چہرے والے چلے گئے جیسے چمن سے پھول غائب ہوتے ہیں۔

اس دنیا کی بے مروتی کودیکھ کراس زورشور اور شاباشی کی آوازیں گونجتی ہے۔ بہادر اور ضعیف سب چلے گئے کفن پہن کر۔

حضرت جامی نے ایک نعت لکھی ہے:۔

یامحمدؐ بمن بے سروسامان مددے

قبلہ دین مددے کعبۂ ایمان مددے

ترجمہ: یا محمدؐ مجھ بے سروسامان کی مدد فرما۔ اے دین کے قبلہ گاہ، اے ایمان کے کعبہ ہماری مدد فرما۔

محتشم نے اسی بحر میں حضرت محبوب سبحانیؒ کی منقبت لکھی:۔

غم زدل سرزدہ سرحلقہ پیران مددے دستگیر دوجہان حضرت میران مددے
دین ودنیا بگدایان درت مے بخشند ماگدایان توبرحال گدایان مددے
خلعت فقر وغنا ہر دو ترامے زیبد شاہ شاہان مددی پیر فقیران مددے
من مگس طینت ودنیا عسل وضعف قوی پای دل ماندہ بگل ہمت پیران مددے
محتشم راتوبدانی کہ گدای درتست شاہ جیلان مددے پیرامیران مددے

ترجمہ: میرا دل غموں سے بھرا ہوا ہے۔ اے گروہ کے سردار مدد دے۔ دو جہاں کے رکھوالے اے امیروں کے سردار مدد دے۔

تمہارے دروازے سے فقیروں کو دین اور دنیا مل گئی ہے۔ ہم آپ کے بھکاری ہیں، ان بھکاریوں کی کچھ مدد کر۔

فقیری اور امیری دونوں تاج تمہیں زیبا دیتے ہیں۔ اے بادشاہوں کے بادشاہ مدد کر اور اے فقیروں کے پیر ہمیں مدد کر۔

میں قدرتی شہد کی مکھی ہوں اور دنیا شہد اور دو برابر مضبوط میرا دل تیرے پاؤں میں گرا ہے۔ اے ہمت کے پھولوں کے پیر مدد فرما۔

تم محتشم کو جانتے ہو کہ وہ تمہارے دروازے کا بھکاری ہے۔ اے جیلان کے شاہ، اے امیروں کے پیر پیران ہماری مدد فرما۔

۲۱ رشوال ۱۱۹۷ھ کو رحلت کی۔

بابا کرم اللہ

ملا محمد صادق کے بیٹے تھے۔ فن شعر و سخن کے اچھے ماہر تھے۔ نمونہ یہ ہے۔

سودہ ام کف بر خش غیر گمان بد برد
مدعی ہرزہ مگو دست بمصحف دادم

ترجمہ: میں نے اپنا ہاتھ ان کے چہرے پر ملا اور غیروں نے غلط مطلب لیا۔ چاہنے والے تم نہیں کہنا کہ بے عزتی ہوئی اور مت کہنا کہ میں نے غلط پڑھنے والوں کو اپنا ہاتھ دیا ہے۔

۱۱۹۸ھ میں شہر خموشان کے ساکن ہوئے۔

حبیب اللہ ڈلو

خواجہ نور اللہ کے ذہین، فکر رسا اور طبع موزون رکھنے والے فرزند تھے۔ خوش خطی، انشاء اور شاعری میں صاحب کمال تھے۔ ۱۱۹۸ھ کے کالرا کے تیر کا نشانہ بنے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

در خلوتش اگر بفسوں جا کند کسے
کو جر آتے کہ بند قبا وا کند کسے
شب کہ برزخ آن پری از زلف دام انداز بود
دل اسیر عشق بود وجان نثار بود
در نظر بود آنچہ دل میخواست زا سباب نشاط
مطروب مے بود دیگر بزم چنگ وساز بود

ترجمہ: اگر کوئی تنہائی اور اچھی جگہ اپنے لئے جگہ نکالے کس کو جرأت ہے کہ اپنے قبا کھول دے۔

رات کو جب اس پری صورت نے اپنے چہرے پر بال بکھرائے تھے بالکل شکاری کی جال کی طرح تو دل اس کے عشق کا قیدی اور جان اس انار صورت کا فدائی بن گیا ہے۔

وہ سب میری نظر میں تھا جو کچھ میرا دل خوشی کے سامان میں سے چاہتا تھا۔ شراب کو پلانے والا اور

ایسی محفل تھی جس میں سازوسامان موجود تھا۔

نعتیہ کلام یہ ہے:

پادشاہا زکرم چشم نگاہے دارم — از عدوباک ندارم چوتوشاہ دارم
بگذراز کین من ای چرخ کہ افتادہ نیم — چون رسول عربی پشت پناہ دارم

ترجمہ: اے بادشاہ! میں تمہارے چشم کرم کی نظر رکھتا ہوں۔ میرا کوئی دشمن نہیں ہوسکتا کیونکہ بادشاہ تو تم ہی ہو۔

اے چرخ زمانہ لئے مجھ سے بدلہ کہ میں گرا ہوں۔ اب مجھے کوئی ڈر نہیں کیونکہ رسول عربیؐ میرا پشت پناہ ہے۔

محمد رضا

قاضی ابوالوفا کے بیٹے تھے۔ زکی اور تیز طبع تھے۔ فن وشعروسخن کے استاد تھے۔

عصام الدین

میرزا حسام الدین کے بیٹے تھے۔ بندہ تخلص کرتے تھے۔ مضمون بندی کی طرف زیادہ دھیان دیتے تھے۔ پرگوشاعر تھے۔ آزادخان کے حالات نظم کئے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

شب عجائب صحبتے با آن ستمگر داشتم — دست ابرودست زیرپائ او سرد اشتم
اے طپیدن طبل شاہی زودلم درملک عشق — طالع جمشید وقبال سکندر داشتم
اے قلندر گوشہ گیران باردنیا کے برند — چون کمال باوصف پیری خانہ بردودشتم

ترجمہ: عجیب رات ہے اور مجھے اس ستم گر سے باتیں کرنی تھی۔ اپنی آنکھیں اور ہاتھ ان کی پیروں تلے اور ان کے پاؤں تلے اپنا سر رکھنا چاہتا تھا۔

شاہی طبلہ بجانے سے میرے دل کی دھڑکنیں تیز چلتی ہے کیونکہ میں اپنے بادشاہ سے محبت کرتا ہوں اور میرا القدیر جمشید جیسا اور قسمت اسکندر جیسا تھا۔

اے صوفی (فقیر) تم دنیا کا بار (بوجھ) کب اُٹھاؤ گے۔ کیونکہ اب ضعیفی اور پیری کی وجہ سے گھر کا بوجھ میرے کاندھے نہیں اٹھا سکتے۔

محمد اکبر رفیق

محمد اشرف یکتا کے شاگرد تھے۔ سخنوری اور شاعری میں بے بہا تھے۔ غربت اور تنگدستی نے کبھی ساتھ نہ چھوڑا۔ معیشت کے موجب پنجاب گئے اور وہیں رحلت کی۔

فاخر

ملا عطاء اللہ ہما کے شاگرد تھے۔ فارسی اور کشمیری میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ نعت اور منقبت، قصیدے اور غزلیں ان کی یاد تازہ کرنے کے لئے بے شمار ہیں۔ حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ کی تعریف میں ایک مخمس لکھی ہے۔ ایک بند مطلع کا تبرکاً ملاحظہ ہو۔

للہ الحمد کز جناب امیر
نرورم بردر امیرو وزیر
سوئ ختلان روم من از کشمیر
گویم از سوزدل ، بخدمت پیر
یا امیر کبیر دستم گیر

ترجمہ: خدا کا شکر ہے کہ ہمیں حضرت امیرؒ ہے۔ اب ہمیں خدا کی قسم کسی امیر اور وزیر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

میں کشمیر سے ختلان جانا چاہتا ہوں تاکہ میں اپنے دل کا حال اپنے پیر امیر کبیرؒ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

اے امیر کبیرؒ میری دستگیری فرما۔

ملا محمود

ملا اکبر رفیق کے شاگرد تھے۔ والا تخلص کرتے تھے۔ مقیمان شجہ کے گھر میں ساری عمر تعلیم پڑھاتے رہے۔ موزون اور روان طبیعت رکھتے تھے۔ سلوک اور فقر کی چاشنی میں بھی رکھتے تھے۔ تنہائی میں عمر گزاری۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

بعینہٖ چون حبابے چشم واکن عین دریا شو
زخود بیگانہ گردو آشنائے مشرب ماسو

ترجمہ: بلاشبہ پانی کے بلبل کی طرح آنکھیں کھول اور دریا بن جاؤ۔ اگر تم خود سے بیگانہ اور انجان ہو تو ہمارے کردار سے آشنا ہو جاؤ اور اس کو اپنا لے۔

محوی

ملا اکبر رفیق کے شاگرد تھے۔ سادہ شعر کہتے تھے۔ ملا عبید اللہ کے ساتھ چشمک تھی۔ آپس میں ایک دوسرے کو ہجو اور ہزل کر کے جز لیتے تھے۔ چائے کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا ہے جو چائے کے دلدادوں کے دماغوں کو تازہ بنانے والا ہے۔ آپ کی طبیعت شگفتہ بنانے کے لئے بطور نمونہ اس میں سے کچھ دیا جاتا ہے۔

چائے یا اکسیر تن یا راح رُوح ماست این
یا دماغ آشفتگان را فرحت دلہاست این
چائے یا آب حیات مردگان خوابہاست
یا مگر سرمایہ بیداریٔ شبہاست این
چائے کو غیرت فزای بادۂ خلدش بگو
یا رحیق سلسبیل جنت الماویٰ است این

یارب این فولیست یا کافور پرنور بہشت
یاطباشیری برای سوزش دلہاست این
شیراو بہتر زشیر مادرگیستی بود
طرفہ ترشریکہ ہم آغوش خون است این
مسکہ اش پرروغن گاوزمین چربیدہ است
بلکہ از گاو فلک ہم برتر وبالاست این
درنمک یک پردہ افزو نعمت از ہر نعمتی
جائے دارد گربگویم سید النعما است این
پتلہ چائے است این یا غیرت طاس قمر
چشمہ خورشید یا قندیل بزم چاست این
درمیان جام چینی جلوۂ دیگر دید
لاجرم چون لعبت چینی بسے رعناست این
بہرانیاں شکم پر کردنش مقصدونیست
بہر تفریح دماغ وفرحت دلہاست این
جلوہ گرشد چون بسا غرہا چینی بربساط
شد یقینیم مایدہ از عالم بالاست این
دمزوں ازمدحت چائے خطا جائے خطاست
توکجا ووصف چا محوی نہ حدماست این

ترجمہ: چائے تھکے ماندے جسم وروح کوتازگی بخشتی ہے اور پریشان دماغ والوں کے دلوں کیلئے خوشی اور راحت ہیں۔

یہ چائے ہے یا آب حیات مرے ہوئے یا سوئے ہوئے لوگوں کے لئے یا یہ راتوں کو جاگنے کا

سرمایہ ہے۔

چائے کہاں دل کو لبھانے والی شے ہے بلکہ یہ تو جنت کی شراب کہو۔ یہ تو جنت کی اصلی نہر کے پانی کے برابر ہے یہ چائے۔

یارب یہ تو شمع اور روشنی اور جنت کا نور ہے۔ یہ تو جلے ہوئے دلوں کے لئے آب شربت کا کام دیتی ہیں یعنی جلے ہوئے دل کی سوزش دور کرتی ہیں۔

اس کا دودھ دنیا کی ماں کے دودھ سے زیادہ بہتر ہے۔ یہ تو مختلف ہے مگر ہمارے خون سے ملی ہوئی ہے اور اس کے بغیر رہ نہیں سکتے۔

اس دودھ کا مکھن موٹا اور چربی سے بھرا ہے اور خشکی گائے کا دودھ چربی والا ہوتا ہے بلکہ آسمانی گائے سے بھی اچھا اور عالی ہے۔

اور اگر اس میں نمک کا اضافہ کیا جائے تو یہ ہر نعمت سے زیادہ بلند نعمت بن جاتی ہے اور یہ کہنا مشکل نہیں کہ اگر کہا جائے کہ یہ سردار اور عالی ہے۔

یہ چائے کا پتیلہ ہے اور یہ چاند جیسی چھوٹی برتن ہے اور یہ آفتاب کا چشمہ جیسا لگ رہا ہے اور یہ محفل مٹھاس کی ہے جس میں چائے ہو۔

چینی کے پیالے میں یہ اور ہی جلوہ دکھاتی ہے۔ بجبوراً چینی کے اس گڑیا جیسے برتن میں اپنا جلوہ دکھاتی ہے۔

اس کا مقصد پیٹ کی تھیلی کو بھرنا نہیں ہے۔ یہ تو دماغ کو راحت اور دلوں کو سکون اور آرام کے لئے ہیں۔

چینی کے شراب کے پیالو میں جب یہ اپنا بساط بن کر جلوہ دکھاتی ہے اور مجھے یہ یقین ہے کہ یہ اوپر والے عالم کا خوراک ہے۔

میں کس طرح چائے کی ستائش کروں یہ چائے کا قصور نہیں بلکہ جگہ کا قصور ہے اور چائے کی خوبیاں بیان کرنا ہماری حد سے باہر ہے۔

ملا حبیب اللہ دار

تیز ذہن، زکی، فہیم اور عالی فطرت شاعر تھے۔ تعلیم پڑھانے میں عمر گزاری۔ نمونہ کلام سے اندازہ لگائیے۔

دمادم زلف رابر قتل من گرد کمر پیچی
چرارے شوخ بے انصاف بر ہیچ اندراین پیچی

ترجمہ: آہستہ آہستہ زلفوں نے میرے قتل کے واسطے میرے اردگرد گھومنا شروع کیا۔ اے بے انصاف دوست آپ نے میرے قتل کا سامان کیسے تیار کیا؟

ملا عبید اللہ

ملا ابوالخیر کے بھتیجے اور شاگرد تھے۔ باطنی صفائی بھی رکھتے تھے۔ تنہائی، مجردی اور تدریس میں عمر گزاری۔ آخر عمر میں پڑھانے کے پیشہ کو ترک کر کے شاہ منور حقانی نر پرستائی کے گھر میں رہنے لگے۔ ہر صنف سخنی میں طبع آزمائی کی ہے۔ قصاید، غزلیات، نعت اور منقبت بہت کہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شمایل شریف کو نظم کیا ہے۔ اپنے شاگرد میرزا مجرم سے چپقلش تھی۔ اس اس کی ہجو میں ایک قصیدہ لکھا ہے۔ جس کا مطلع یہ ہے۔

اے خوک پوک طینت ووی مجرم دیوس
بولقند رغراجہ وگردنگ فرطبوس
اے جامغول مردین ووی وامغول کرد
داغول ہند وکامل وتاتول سندروس

ترجمہ: اے سور کی طرح جسم پر سوراخ اور خطا کار اور دیو صفت، تو ناپاک، چالاک اور اُڑتی ہوئی دھول کی طرح زیادہ چومتا ہے (جس طرح اُڑتی دھول گلے لگتی ہے)۔

اے خاندان مغول کے مرد اور تو نے اس کو بھی مغول بنایا۔ اے ہندوستان کے باشندے تم کیوں سندیوں اور روسیوں کو اپنا دوست بناتے ہو۔

نمونہ کلام بھی ملاحظہ فرمائیے:۔

سرو اگر ہمسر بقدت شد تبرزمینش سزاست
لاف افتادت تزر وارداد شاہیش سزاست
بربساط دہرآن شاہے کہ بے احسان نشست
چون شہ شطرنج مات ازکشت فرزینش سزاست
خانہ چشم عبید ازاشکباری شد تباہ
ارے آنکو خانہ بردریا کند امینش سزاست
تشبیہ دور خار تو وبنی تسمین
ماہے است بانگشت بنی گشت دوپارہ

ترجمہ: سرو کا درخت اگر آپ کے قد کے برابر ہو گیا تو اس کو کلہاڑی یا تلوار سے اکھاڑنا سزا ہے تو تمہاری لاف (بڑھا چڑھا کر کہنا) دنیا اور اس کا بادشاہ کے سامنے فریاد کرنا ہی سزا ہے۔

اس دنیا کے بساط (فرش) پر وہ بادشاہ جو احسانوں سے خالی ہے وہ ایسا ہے جیسا شطرنج کا بادشاہ جو رانی کے لئے راستہ ہموار کرتا ہے اور خود اس کا کوئی بساط نہیں۔

بندہ کا چشم جیسا گھر آنسوؤں کی وجہ سے تباہ ہوا۔ ہاں جو اپنا گھر دریا پر بنائے اس کا بچنا اور حفاظت مشکل ہے۔

مچھلی کے کانٹے کے متعلق تحقیق اور تو نے اس کا نتیجہ دیکھ لیا۔ یہ مچھلی ہے جس کو انگلیوں سے دو ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔

۱۲۶۸ھ میں اسی برس عمر پا کر رحلت کی۔ شاہ قاسم حقانیؒ کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔ انتقال کے وقت ''عطر اللہ مفجعی'' خود فرمائے۔

مصطفیٰ خان

قاضی حیدر خان کے پوتوں میں سے تھے۔ ملا عبید اللہ کی شاگردی کا فخر حاصل تھا۔ بختور تخلص کرتے تھے۔ موزون طبیعت والے تھے۔ برجستہ شعر کہتے تھے۔ بختور کے اعداد سے ان کی تاریخ ولادت حاصل ہوتی ہے۔ علم نحو کی کتاب کافیہ کی عربی میں منظوم کیا ہے۔ شعر گوئی اور پڑھانے میں عمر بسر کی۔ ۱۲۷۱ھ میں رحلت کی۔ قلاشپورہ کی درگاہ کے صحن میں دفنائے گئے۔ ''ملائے زبردست شدزین عالم'' تاریخ ہے۔ ابو المعالی کے تتبع میں حضرت محبوب سبحانیؒ کی منقبت بہت قبول ہے۔

آن سروعجم جلوهٔ چودر باغ طرب کرد
چون ابر کرم خواهش گلگشت عرب کرد
این نخل چه نخلیست که از میوهٔ رحمت
جان بخشی بغداد وعراقین وحلب کرد
گفتاقدمی هٰذه برگردن خوبان!
تخت عظمت تافلک افزاخت عجب کرد
دریائے مے فیض قدم خورد بیکدت
صد کشتی ازان وقف لب جرعه طلب کرد
به بختورائے غوث به بین کوچو معالی
بریاد تو القادر وقادر همه شب کرد

ترجمہ: اس عجم کے سردار نے جب اپنا رخ شادمانی کے باغ کی طرف کیا چونکہ انہوں نے خواہش کی کہ وہ اپنے کرم کی بارش سے عرب کو بھی شادمان کردے۔

یہ صدابہار کس گلستان کا ہے کہ اس میں رحمت کا میوہ ہے۔ جس نے اپنی زندگی بغداد، عراق اور حلب کے لئے صرف کی۔

اس نے کہا کہ اس کے قدم اچھے اور حسین لوگوں کی گردن پر ہے۔اس کی عظمت کا تخت آسمان تک بلند ہوا اور عجب کیا۔

اس شراب کے دریا میں اس نے یکدم اپنا فیض پایا (یا حاصل کیا) سو کشتیاں جس کی طلب اور ایک گھونٹ پینے کے لئے منتظر تھی۔

بختور کو دیکھ اے غوث الاعظم کہ کس طرح تم اعلیٰ رتبہ والے کی یاد میں ہے۔تمہاری یاد میں میں اے کر سکنے والے (قادر) کس طرح پوری رات صرف کی۔

بابا محمد کاظم

ملا عبید اللہ کے شاگرد تھے۔فارسی اور کشمیری دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ہزل گو کمال کے تھے۔میرزا مجرم کے ساتھ ان بن تھی۔اس کی ہجویں لکھ کر دل کی بھڑاس نکالی ہے۔صفا پورہ کی مسجد کی امامت کرتے رہے۔۱۲۸۲ھ میں وفات پائی۔صفا پورہ میں دفن ہوئے۔

میرزا مہدی مجرم

تخلص مجرم کرتے تھے۔باپ شیعہ مذہب کا معتقد تھا۔مجرم بچپن ہی میں سنی عقیدہ اور شیعہ عقیدہ میں موازنہ کیا کرتا تھا۔سنی عقیدہ میں اس کو یہ خوبی نظر آئی۔کہ اہل بیت کی محبت رکھتے ہوئے۔رسول خداؐ کے صحابوں میں سے یہ کسی کی نفرت نہیں کرتے تھے۔اور تمام دوستان خدا کی تعظیم کرتے ہیں۔یزید اور یزید کے مددگاروں اور طرفداروں کو لعنت کرتے ہیں۔اسی قسم کی باتوں سے متاثر ہو کر شیعہ مذہب چھوڑ کر سنی مذہب کا معتقد ہوا۔حضرات اولیاء اللہ کا اعتقاد دل میں اتنا پیدا ہوا کہ ہمیشہ حضرت سلطان العارفینؒ کی درگاہ پر جانے لگا۔اپنی لڑکیوں کو سنیوں کے ساتھ نکاح کیا۔اپنے وقت کے مسلم الثبوت شاعر تھے۔اکابرین شہر کے خلاف ایک شہر آشوب لکھ کر کوچہ و بازار میں مشتہر کر دیا۔ملا عبید اللہ جو مجرم کے استاد تھے۔اس حرکت سے ناراض ہو گئے۔مناظرہ منعقد ہوا اور استاد نے اپنے شاگرد کے دل کو زبان کے نیزے سے مجروح کر دیا۔نمونہ کلام

دیکھ کر دادِ سخن دیجیے۔

فدا سازم دل وجان آن جفا ساز ستمگر را
ادا وناز چشم نیم باز غمزه پرور را
به گلشن چون روم درخاطرم آید سراپایش
نمے بینم گل ونسرین شمشاد وصنوبر را
زہرہ طشت آورد از مہ آفتابہ ز آفتاب
چون کنیز ان کردہ خم سراز پے پاشوی تو
فضل حق شافی است درست طبیبان ہیچ نیست
حرز تائید ازل کافی است برباِزوی تو
بلبل از فرقت گل غلغل صد رنگ تو کو
عجز تو زاری تو شور تو آہنگ تو کو
پیش آن چشم فسون سازچہ ید فی نرگس
ناز تو طرز تو انداز تو نیرنگ تو کو
نزد لعلش چہ زنی دم زنجابت گوہر
قدر تو قیمت تو رونق تو رنگ تو کو
مطربا بزم طرب مردہ شد آخر تو بگو
ساز طوطک تو طنبک تو چنگ تو کو
جامہ درخون تو کشی لالہ بہمدردی من
سوز داغ تو درد تو اورنگ تو کو
مجرم این کوس شہی چند زنی بردرخود
رخت تو بخت تو اکلیل تو اورنگ تو کو

ترجمہ: میں اپنا دل و جان اس جفا کرنے والے ستمگر یار پر قربان کرنا چاہتا ہوں اور اس کے اداؤں پر اور آدھے کھلے نخرے والے آنکھوں پر جو ہمیشہ اشاروں سے سمجھاتی ہے۔

میں اگر پھولوں کے باغ میں جاتا ہوں تو صرف اپنے محبوب کو سر سے پاؤں تک دیکھنے کے لئے۔ میں وہاں پھولوں، نسرین، شمشاد اور صنوبر کو نہیں دیکھتا ہوں۔

بزرگ نے ہی آبِ طشت ایک ایسے شخص کے لئے لائی جس کا ایک پیر قبر میں ہے اور نوکروں نے بھی اپنا سر خم کیا تا کہ تمہارے پاؤں دھولے۔

اصلی تو بخشنے والا اور رحم کرنے والا حق تعالیٰ ہے۔ ڈاکٹروں کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے اور تمہاری حفاظت کرنا اسی کے ذمہ ہے اور وہی تیرے لئے کافی ہے۔

اے بلبل پھولوں کی جدائی میں تیرا سو رنگ اور سو طریقوں کا شور و غل کہاں ہے۔ تمہارا نہ کر سکنا، تمہارا رونا ہی تیرا گانا ہوتا ہے۔ وہ آج کہاں ہے۔

اُس جادو چشم (آنکھوں) والے کے پاس نرگس کی کوئی قیمت نہ تھی۔ تمہارے نخرے، تمہارا انداز اور تمہارا جادو کہاں۔

اس لعل اور موتی جیسے اور شریف سیرت عورت کے پاس کوئی لعل قیمتی نہیں ہے۔ تمہاری قدر و قیمت، تمہاری رونق اور تمہارا رنگ گیا کہاں۔

خوشی کی محفل میں ساز بجانے (گانے والا) ہی مر گیا۔ اب تو ہی بتاؤ تمہارا طوطے جیسا ساز طنبک اور تمہارا (چنگ) ناخن کی طرح تیز کہاں ہے۔

تم نے میرے لئے قتل کئے اور تمہارے کپڑے خون سے رنگے ہیں۔ تمہارا سوز، تمہارا درد اور تمہارا تخت کہاں ہے۔

اے مجرم تم نے کیا بادشاہوں جیسی شروعات کی کہ تمہارے دروازے پر بہت عورتیں ہیں۔ تمہارا لباس، تمہاری قسمت، تمہارا تاج اور تخت کہاں۔

مجرم قصیدہ گو اور درباری شاعر بھی تھے۔ ایک دفعہ جلی شیخ مقیم نے کرتہ بنانے کیلئے چھینٹ بھیج دی۔

کپڑا اردی تھا۔ مجرم نے واپس کر دیا اور یہ چند شعر بھی واپس بھیجئے۔

صاحبا صدر راز خوی بندگان درگہت — شکوہ کردن زہرہ این بندہ درگاہ نیست
نہ گرہ ہر پنج وشش گر چھینٹ بعد از ہفت سال — خلع فرمودند این شش وپنج بے اکراہ نیست
نے ہمہ پودش چو پود تار عاشق بودہ است — تارتارش درگستن کم ز تار آہ نیست
بر نسیج عنکبوتے نقطہ افگندہ مگس — ورنہ این صنعت طرازی طاقت جولاہ نیست
پیرہن گر سازنیش از ستر عورت کوتہ است — عیب دیگر انیکہ عیب دیگرم کوتاہ نیست
ہر چہ ہست از قامت ناساز بے اندام است — ورنہ تشریف بربالائے کس کوتاہ نیست

ترجمہ: اے ثروت مند بندوں کا راز ظاہر کرنا ہمارے درگاہ کی عادت نہیں۔ شکایت کرنا، ڈرانا ہم بندوں کے درگاہ میں نہیں ہوتا۔

نہ گانٹ اور پانچ اور چھ میٹر کپڑے کی چھینت سات سال کے بعد بھیج دینا۔ اس سے لگتا ہے کہ تم اب صاحب طاقت نہیں رہے ہو۔ اس لئے چھ اور پانچ گز کپڑا تمہیں برا نہیں لگا۔

یا ایسا نہیں ہے کہ اس کپڑے کی ساری تاریں جن سے کپڑا بنا ہے، عاشق کے دل کی تاریں ہیں۔ اس کی تاروں کو اگر سکڑا جائے تو تمہارے آہ سے کم نہیں۔

یہ کپڑا نہیں بلکہ مکوڑے نے یہ بن لیا ہے۔ اور مکھی نے اس پر نقطے ڈالے ہیں ورنہ تم میں یہ چھینٹ (پرنٹ) بنانے کی صلاحیت نہیں ہے۔

اگر پوشاک بنایا جائے تاکہ جسم کو چھپایا جائے تو وہ چھوٹا بنے گا اور دوسرا عیب یہ ہے کہ دوسروں کا عیب کم نہیں ہے۔

کتنی کہنے کے انداز بیان پر غور کیجئے۔ خصوصاً اس شعر کے۔

پیرہن گر سازمش از ستر عورت کوتہ است
عیب دیگر این کہ عیب دیگرم کوتاہ نیست

ملا حمید اللہ

برنگ کوٹھار کے علاقے میں پیدا ہوئے تھے۔ شعر وسخن کے لئے خداداد موزون طبیعت رکھتے تھے۔ تعلیم وتدریس کا کام ہمیشہ جاری رکھا۔ آخر عمر میں اسلام آباد آئے تھے۔ اور تاریخ وفات خود کہی ہے۔

عزیز من گر کسے پر سدت
بگویش بخلا برین شد حمید ۱۲۶۴ھ

نمونۂ کلام یہ ہے:۔

خوشا دل کشا روزگار شباب	وقتے منش دیدہ بودم بخواب
چہ مقبل کسے کو بود درکنار	بت نازنین بعت گلزار
دمے چائے شیری بود نوش او	گہے یارگا سرخ درآغوش او
لہٰذا جملہ اسباب شاہی بہ پیش	بروز جوانی دہد داد عیش

ترجمہ: وہ کتنا اچھا اور خوشی کے اور جوانی کے دن تھے۔ جب میں نے خدا کی قدرت اور رغبت کو خواب میں دیکھا تھا۔

یہ کیسی قسمت ہے اور کون کیسا تھا میرے ساتھ نازنین بت اور پھولوں کے باغ میں پیاری گڑیا۔

کچھ وقت تک دودھ والی چائے تھی جو اس نے پی لی۔ کبھی پھولوں جیسا دوست اس کی باہوں میں۔

آخر پر بات یوں ہے کہ سارے بادشاہی چیزیں اس کے پاس تھی۔ جوانی کے ایام میں اس کو عیش و عشرت ملی۔

کبیری

دیہاتی شاعر تھے۔ برجستہ کہتے تھے۔ فطرت پر نظر تھی۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔

نافرمان گفت باخطائی
ایمان زخدا بود عطائی

ترجمہ: نافرمان (پھول) نے کہا خطائی (پھول) سے۔ خدا کا ایمان عطائی کے ساتھ ہے۔
لفظی مناسبت کے ساتھ معنوی مناسبت کمال کی ہے۔ ''نافرمان'' ایک خوبصورت پھول ہے جو ''خطائی'' پھول سے کئی وصفوں میں برتری رکھتا ہے۔ کبیری ''نافرمان'' اور خطائی کی آپس میں بات چیت سے نورایمان عطائی ہونا کس لطافت سے ثابت کرتا ہے۔

یاسین خان

پرگنہ بیروہ کے دیہاتوں میں معلّمی کر کے سامان معیشت مہیا کرتا تھا۔ کبھی کبھی شہر بھی آیا کرتا تھا۔ اور دولت مند لوگ قدر دانی کرتے تھے۔

خواجہ حسن زہگیر

نیک مرد، پرہیزگار، خدادوست شاعر تھے۔ طبع رسا رکھتے تھے۔ زکاوت اور دانائی میں عالی مرتبہ رکھتے تھے۔ آبدار شعر کہتے تھے۔

خواجہ حسن کول

کشمیر کے شریف زادوں میں سے تھے۔ امرتسر میں کاروبار تھا اور اسی سلسلے میں ساری عمر وہیں گزاری، نہایت بلند پایہ کی موزون طبیعت تھی۔ شعری تخلص کرتے تھے۔ اسی زمانے میں دہلوی شعراء مثلاً میرزا غالب، ذوق وغیرہ کا شہرہ دور دور تک پھیلنے لگا تھا۔ شعری ایک دفعہ دہلی گئے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک مشاعرہ پر انہوں نے اپنا فارسی کلام سنایا۔ اور شعرائے ہند سے دادِ سخن پایا۔ پنجاب میں عمر گزارنے کے باوجود اردو کی طرف توجہ نہ کی۔ اور نہ کوئی کشمیری نظم ان کی مشہور ہے۔ فارسی کے باکمال شاعر تھے۔ قصیدے

اور غزلیں اعلیٰ پیمانے کی ہیں۔ چار درویشی کو منظوم کیا ہے۔ زبدۃ الاخیار قابل مطالعہ تصنیف کی ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

هر که دل دادر دریغت غارت رمنیش سزاست | آنکه باصلحت نسازد کشتن از کینش سزاست
بر بساط جرأت پابوس خونم قائم است | گر کنی پامال همچون نقش قالینش سزاست
زان دهان تنگ دارد هر که میل بوسه | در سخن پنهاں شدن چون نون تنوینش سزاست
سبزه نوسر زده پیش خطش اے باغبان | گردهی برباد همچون کاه پارینش سزاست
معنی رنگین شعری راتمنا هر که کرد | گرشوداز اشک گلگون چهره رنگنش سزاست
دل از خیال جمال رویت چمن نگردد وگرچه گردد | مشام جان از نسیم کویت سمن نگردد وگرچه گردد

ترجمہ: جس کسی کے پاس دل ہے اس کے زمین کو چوری اور لوٹ مار سزا ہے۔ جس کے ساتھ صلح نہ ہو سکے اس کو کینہ اور عداوت رکھنا اور قتل کرنا منع ہے۔

جرأت کے تخت پر میرے خون کا وجود قائم اور دائم ہے۔ اگر تم اس طرح سے اس کے قالین کا نقشہ پامال کروں گا وہ سزا ہے۔

جس کسی کو چومنے کا من ہوتا ہے اس کا منہ تنگ ہوتا ہے اور چھ باتوں کا نون اور تنوین سزا ہے۔

اے باغبان نئے سبزے نے پورے خطہ زمین میں سر نکالا ہے اور اگر پرانے (پچھلے سال کے) گھاس کے تنکے کی طرح برباد ہوا وہ بھی سزا ہے۔

جس کسی کے رنگین (پر معنی) اشعار کی تمنا یا آرزو کی ہے اگر چہ اس کا گلاب جیسا چہرے پر آنسو ہوں گے تو وہ رنگینی اور گلابی سزا ہے۔

میرا دل تیرے چہرے کی خوبصورتی کے خیال سے اگر چمن میں تبدیل نہ ہوگا پھر کیا ہوگا میرے جان کی (حواس خمسہ) اگر تیرے کوچے کے ہوا سے یاسمین کے پھول میں تبدیل نہ ہوں گے تو کیا ہوں گے۔

شعری نے بھی تاریخ وفات خود کہی ہے۔

سال تاریخ فوت خود شعری

رد ندا رحمت خدا آمد ۱۲۹۸ھ

محمد شاہ فصیح

اپنے والد ملا محمود کے شاگرد تھے۔ محلّہ صورہ کی مسجد کی امامت پر گذارہ تھا۔ سنجیدہ شاعر تھے۔ نمونہ کلام ہے۔

اے سرو بندۂ قد بالائے کیستی بلبل غلام زلف چلیپائے کیستی؟
نرگس نگونساری وزارپت راسبب بیمار نرگس خوش شہلائے کیستی؟
خوابم نمے بردرفغان توائے فصیح شب تاسحر بہ ہے ہے دہ ہای کیستی؟

ترجمہ: اے سرو جیسے بندہ تمہارا یہ اونچا قد کس کا جیسا ہے اور بلبل کس کے پیچان زلف کا غلام ہے۔

اے نرگس مت کہو کہ تم اس جگہ رہتے ہو جہاں سورج کی روشنی نہیں پہنچتی جہاں کا پانی ہونٹوں کے ساتھ نہیں لگا سکتے۔ نرگس بیمار کا خوش شہلا کون ہے۔

اے فصیح اس شور وغل میں مجھے نیند نہیں آتی ہے۔ رات سے صبح (سحر) تک یہ ہے اور ہای ہای کی آواز کس کی ہے۔

اسد اللہ راجہ

نحوی تخلص کرتے تھے۔ ساری عمر تعیم پڑھاتے رہے۔ مولوی عبدالقدوس مفتی کے شاگرد تھے۔ ان کی خداداد موزون طبیعت کو ملاحظہ فرمائے۔

تاسہ جامہ عید من جامہ بدندان گرفت
دیدۂ زجامہ دان غم جامہ زقطران گرفت

خون جبال وزر پرست خون خروش شراب ومردمست
نحوی وخون دل بدست شکر کزایں آن گرفت

ترجمہ: میرے تین عہد کے لباس اُس نے اپنے دانتوں میں پکڑ لیئے اور آنکھوں نے غم کے سوٹ کیس کے لباس کو یعنی آنسوؤں کے قطروں کو سوٹ کیس میں جمع کیے۔

مست شرابی کا شراب پہاڑ کا خون اور زر پرست اور مرغ کا خون ہے۔ نحوی (بنانے والے) نے کسی کے دل کا خون شکر کے ساتھ ملا کر اُس اور اس سے لیا۔ ہے اور شراب تیار کی ہے۔

۱۲۸۲ھ میں جان بحق ہو گئے۔

خواجہ محمد شاہ نزوری

شہر کے شریف زادوں میں سے تھے۔ تخلص وفا کرتے تھے۔ مدرسی کا پیشہ کر کے معیشت کا سامان مہیا کرتے تھے۔ نمونۂ کلام یہ ہے:۔

چون حباب وچشم واکن وبین زنقش پر آب
کہ حباب عین آبی بدرآز خویش دریاب
آن رنگ پران چہرۂ گل
آتش زن دود مان بلبل
از خانہ دمیکہ میحر امید
وزناز بسوی ہر کہ میدید
کارش بہ نگہ تمام میکرد
القصہ کہ قتل عام میکرد

ترجمہ: چونکہ پانی کا بلبل اور آنکھیں کھولو اور دیکھو نقشہ جو پانی سے بھرا ہوا ہے اور پانی کا بلبلہ پانی جیسا اور لالچ کا دروازہ جو آپ کے اندر ہے اس کو پہچان لو۔

وہ پھولوں جیسا چہرہ اور اڑنے والی آگ لگانے والی اور بلبل کے خاندان سے تعلق رکھنے والی۔
جس دم مجھے اس گھر سے امید تھی اور زنار ہر ایک کے پاس تھی جس سمت میری نظر پڑی۔
وہ اس کا سارا کام ایک نظر سے ختم کر دیتا تھا اور آخر کلام یہ ہے کہ وہ اپنی نگاہوں سے قتل عام کرتا تھا۔

خواجہ سعد الدین

خواجہ محمد نعیم درابو کے بیٹے۔ شہر کے بڑے لوگوں میں سے تھے۔ فصیح بیان، شرین زبان سخندان تھے۔ حسن تحریر اور تقریر کے لئے مشہور تھے۔

حاجی مختار شاہ اشائی

بڑے تاجر اور رئیس تھے۔ دور دور کے ملکوں میں تجارت کے موجب مشہور تھے۔ شیخ طیب رفیقی کے مرید تھے۔ شیخ احمد تارہ بلیؒ اور امام علی شاہ منز چھتری کی نظر عنایت بھی رکھتے تھے۔ بڑے سخی تھے۔ فقیروں کی بڑی خدمت کرتے تھے۔ انگریزوں کے ساتھ کاروبار اور لین دین رکھتے تھے۔ ۱۲۸۷ھ میں حج کر کے آئے۔ اچھے پڑھے لکھے تھے۔ موزون طبیعت رکھتے تھے۔ لیکن اس فن کو معیوب سمجھتے تھے۔ ڈل کی تعریف میں یہ رباعی کہی اور میں (حسن) نے لکھ کر رکھی۔

ڈل کہ صفائی آب کوثر دادند — از موج نسیمش آب دیگر دادند
جوہر ردہ از آئینہ چون صاف شود — این آئینہ راصفا نرجو بر داد ند

ترجمہ: ڈل (جھیل) آب کوثر جیسی صفائی اور پاکی رکھتا ہے اور اس کی موجوں اور ہواؤں میں اور دوسرا پانی اور آب ہے۔
اس کی اصلیت آئینہ جیسی صاف وشفاف ہے اور ایک ایسا آئینہ جس کی اصلیت اور صفائی نرجوہر کی ہے۔
یہ غزل ان کی طرف منسوب ہے:۔

سرزد از بالاسری ہمسر بقدت سروباغ　　لخت لختش ہمچو مشعل سوختم سرتاپا
شب چون شمع از سوز ہجر آن بت آتش لباس　　دودمان جان خودافروختم سرتاپا
گشت از سوہان دوری ہمچو سوزن قامتم　　جامہ عریائے خود دوختم سرتاپا
حاجی از سودائے زلفش شد پریشان ہوش من　　درس تعلیم جنون آموختم سرتاپا

ترجمہ: اس نے پورے دستے سے اوپر اپنا سر اٹھایا جیسے اس کا قد باغ کے سرو جیسا تھا اور اس کو ننگا پایا جیسے جلی ہوئی مشعل جو اوپر سے نیچے تک جلی ہو۔

شمع نے پوری رات جدائی اور فراق کی سوزش سے خون بہایا اور اس بت کا آگ کا لباس چھین لیا اور اس کے باقی گھر والوں (شمع) نے سر سے پاؤں تک جلا ڈالا۔

وہ دوری کی وجہ سے جیسے سوئی میرے قد کی ہو گیا۔ میں نے اپنے پھٹے لباس خود ہی سر سے پاؤں تک سی ڈالے۔

حاجی تمہارے ان دل موہ لینے والے باتوں نے میرے ہوش اُڑا لئے اور تعلیم قرآن کا جنون میں نے سر سے پاؤں تک سکھایا۔

۷/ جمادی الثانی ۱۳۰۹ھ کو دنیا سے چل بسے۔ میاں محمد امین دار کے مقبرہ کے متصل دفن ہوئے۔ تاریخ ہے۔ ہفتم ماہ جمادی الثانی و آدینہ بود

عبارت سے مہینہ۔ تاریخ اور دن اعداد سے ۱۳۰۹ھ

.......☆..................

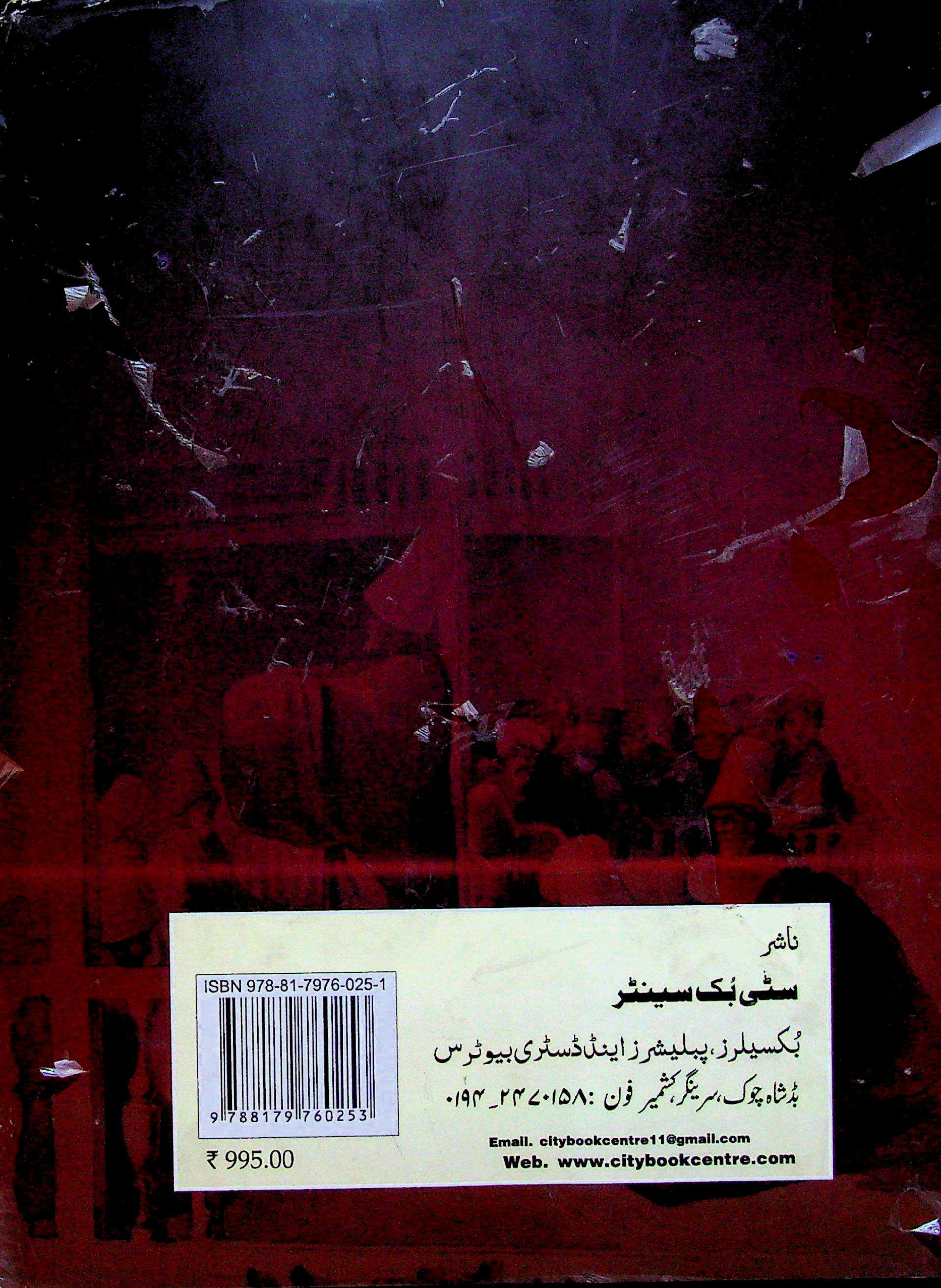

ناشر

سٹی بُک سینٹر

بُکسیلرز، پبلیشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرس

بڈشاہ چوک، سرینگر کشمیر فون :۰۱۹۴_۲۴۷۰۱۵۸

Email. citybookcentre11@gmail.com

Web. www.citybookcentre.com

ISBN 978-81-7976-025-1

9 788179 760253

₹ 995.00